رجسٹرڈ آصفیہ نمبر (۱۸۰)

شرح چندہ
سالانہ .... ے
ششماہی .... ے
سہ ماہی .... عہ

قیمت فی پرچہ (۲)

فرخندہ بنیاد حیدرآباد دکن

ہفتہ وار

مملکت

ایڈیٹر
میر حسن الدین بی اے ال ال بی (عثمانیہ)

رجسٹرڈ انگلشیہ نمبر

شرح چندہ
سالانہ .... ے
ششماہی .... ے
سہ ماہی .... عہ

قیمت پرانا پرچہ (۴)

جلد (۲) | ۴ فروردی سنہ ۱۳۵۲ ف | ۳۰ محرم سنہ ۱۳۶۲ھ | ۶ فبروری سنہ ۱۹۴۳ء شنبہ | نمبر (۴۳)

ترکوں کی خارجی حکمت عملی

غیر جانبداری کی اہمیت

اور اس کے مضرات

لندن ٹائمز کا نامہ نگار انقرہ تحریر کرتا ہے کہ:

آغاز جنگ سے ہر سال اس زمانہ میں (یعنی موسم سرما میں) جو پیشین گوئیاں کی جاتی رہی ہیں ان میں سے ایک یہ ہے کہ ترکی آئندہ موسم گرما میں جنگ میں شریک ہو جائے گا۔ اس خیال کی تائید میں جو دلائل پیش کئے جاتے ہیں وہ ہر سال بدلتے رہتے ہیں اور اس کی وجہ سے ان لوگوں کو صورت حال کے سمجھنے میں بڑی دشواری ہوتی ہے جو ترکوں کی حکمت عملی کی پیچیدگیوں سے ناواقف ہیں۔ وہ مختلف اور پیچیدہ اسباب جو ترکی کو ایسے موقف میں ڈال سکتے ہیں جہاں جنگ میں شریک ہونے کے سوا اس کے لئے کوئی چارہ نہ ہو براہ راست اور منطقی طور پر اس کے جغرافی موقع و محل سے تعلق رکھتے ہیں۔ ترکوں کی خارجی حکمت عملی کی تشکیل میں سب سے زیادہ ان کے جغرافی موقع و محل کو دخل ہے۔

ترکی کا موقف

اگر ان مسائل کا جائزہ لیا جائے جن سے ترکی دوچار ہے اور جو دوسرے ممالک کی نسبت ترکوں کی رو سے پیدا ہوتے ہیں تو یہ واضح ہو جائے گا کہ وہ اسباب کیا ہیں جو ماضی میں ترکی کو جنگ سے بہت قریب لا چکے تھے اور مستقبل میں جن کے نمودار ہونے کا امکان ہے۔ وہ اسباب حسب ذیل ہیں۔

(۱) اتحاد بلقان کا ایک رکن ہونے کی حیثیت سے ترکی کو ان امور سے براہ راست دلچسپی ہے جو جزیرہ نمائے بلقان میں رونما ہوتے ہیں۔

(۲) مشرق میں ترکی میثاق سعد آباد کا ایک فریق ہے ــــ جس کی مدت ابھی حال میں پانچ سال کی توسیع ہوئی ہے ــــ اور اس حیثیت سے ترکی کو براہ راست ہر اس چیز سے تعلق ہے جو ایران، عراق اور افغانستان پر اثر انداز ہوتی ہے اور بالواسطہ طور پر اس کو عرب ممالک کے مستقبل سے بھی تعلق خاطر ہے۔

(۳) بحر روم میں ترکی کا ساحلی خط بہت طویل ہے اور اسی وجہ سے مشرقی سمندر کی حفاظت اور اس پر اقتدار کے مسئلہ سے ترکی بے تعلق نہیں رہ سکتا۔

(۴) بحر اسود میں بھی ترکی کا یہی موقف ہے۔

(۵) عہد نامہ مانٹرو کے تحت آبنائے کی حفاظت ترکی کے سپرد کی گئی ہے اور اس آبنائے کی حفاظت اور آزادی کا فرض ترکی پر عائد ہوتا ہے۔

(۶) ترکی اس تاریخی راستہ پر واقع ہے جس پر سے سکندر اعظم اور روما کی فوجیں اور صلیبی لڑائیوں کے زمانہ میں عیسائی مجاہد ایشیا کو فتح کرنے کے لئے گزر رہے تھے۔

(۷) دوسری طرف ایشیا کے سپہ سالار بھی جنہوں نے عہد ماضی میں یورپ پر حملہ کیا تھا اسی راستہ سے گزر رہے تھے اور حالیہ زمانہ میں سلاطین ترکی نے بھی اسی راستہ سے یورپ پر حملہ کیا تھا۔

جن اسباب کا اوپر ذکر کیا گیا ہے ان سے صاف طور پر ظاہر ہوتا ہے کہ گزشتہ تین سال کے دوران میں جرمنی کی فوجی یا سیاسی کارروائیوں نے کس طرح ترکی کو جنگ سے قریب کر دیا تھا۔ جو لوگ یہ یقین رکھتے ہیں کہ اب بھی ترکی کے جنگ میں گھسیٹے جانے کا امکان ہے ان کا خیال مذکورہ بالا اسباب میں سے پانچویں یا ساتویں امکان پر مبنی ہے یعنی ترکی پر جرمنی اس غرض سے حملہ کر سکتا ہے کہ آبنائے سے متحدین کے جہازوں کو گزر کر روس تک پہونچنے سے روکا جائے یا متحدین کو اس کا موقع نہ دیا جائے کہ وہ ترکی کے راستے سے بلقان پر حملہ کریں۔ جرمنی کے جرائد سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ دونوں امکانات جرمنی کے پیش نظر ہیں۔ ایک مضمون میں ان ممالک کو متنبہ کیا گیا ہے جو متحدین کو راستہ دینے کے لئے آمادہ ہو سکتے ہوں۔ یہ اشارہ ترکی کی طرف ہے۔

ترکی کے مستقبل کی نسبت ان قیاس آرائیوں سے ترک متاثر نہیں ہوتے۔ ترکی نے اپنے مدبرین کے ذریعہ مستند طور پر اس عزم کا اظہار کیا کہ وہ غیر جانبدار رہے گا۔ اور اپنی غیر جانبداری اور دونوں فریق متحارب کی نسبت اپنی خیرسگالی کو ثابت کرنے کے لئے ترکی تجارت کے ذریعہ توازن قائم رکھنے کی کوشش کر رہا ہے اور اس نے دونوں

بقیہ ملاحظہ ہو صفحہ (۱۱) پر

مملکت
ہفتہ وار

جلد (۳)	۱۳۵۲ ف سہ شنبہ ۳ر فروری	نمبر (۴۳)

سوویٹ روس کی طاقت کا راز

جس وقت کاسابلانکا میں پریسیڈنٹ روزویلٹ اور مسٹر چرچل متحدین کی پیش قدمی کے نقشے تیار کر رہے تھے سوویٹ روس میں سرخ فوج نازیوں کی اُن فوجوں پر کاری ضرب لگا رہی تھی جو کئی ماہ سے روس کے کلیدی مقامات کا محاصرہ کئے ہوئے تھیں۔ تازہ ترین اطلاعات سے ظاہر ہوتا ہے کہ محاذ روس پر بچی ہوئی جرمن فوجیں بہت ابتر اور ہیبتناک حالت میں ہیں۔ اسٹالن گراڈ کا مغربی علاقہ ایک لاکھ سے زائد سپاہیوں کے لئے وادیٔ موت ثابت ہوا اور چند ہزار سپاہی جو بچ گئے ہیں وہ یا تو مارے جا رہے ہیں یا گرفتار کئے جا رہے ہیں۔ اسٹالن گراڈ جس پر ہٹلر کی نظریں جمی ہوئی تھیں تمام خطرات سے پاک ہو گیا اور اس کامیابی کا سہرا سرخ فوج کے سر ہے۔ روس کے دوسرے محاذوں پر بھی سرخ فوج کی پیش قدمی اطمینان بخش بتائی جاتی ہے۔ اور اگر پیش قدمی کی یہ رفتار جاری رہی تو وورونیز اور قفقاز کے کلیدی شہروں یعنی کرسک، خارکوف اور روستوف پر روسیوں کا قبضہ چند ہفتوں کی بات ہے۔ روسیوں کی مدافعت اور نازی فوجوں کے خلاف جارحانہ پیش قدمی پر ساری دنیا حیرت زدہ ہے۔ اس وقت سوویٹ روس جرمنی پر مسلسل ضربیں لگا رہا ہے۔ جرمنی، رومانیہ، ہنگری اور اٹلی کے لاکھوں سپاہی اور افسر روس کے میدان جنگ میں موت کی ہم آغوش ہو رہے ہیں۔ نازی فوجوں کا طلسم ٹوٹ گیا۔ ہٹلر کا یہ دعویٰ باطل کر دیا گیا کہ نازی فوجیں ناقابل شکست ہیں۔ لوگ حیرت سے دیکھتے ہیں کہ سوویٹ روس کو یہ قوت کیسے حاصل ہوئی جس کے بل بوتے پر وہ نازیوں سے جان توڑ مقابلہ کر رہا ہے۔

یہ سچ ہے کہ جرمنی کو سوویٹ روس کے ایک کافی رقبہ پر عارضی قبضہ حاصل کرنے میں کامیابی ہوئی۔ اس کے علاوہ روس کے صنعتی وسائل کے ایک کافی حصہ پر اور بعض صنعتوں پر جرمنی نے قبضہ کر لیا تھا اور بہت سے زرعی علاقے بھی روس کے ہاتھ سے نکل گئے تھے۔ اس کے باوجود سوویٹ روس کی مدافعت گھٹنے کے بجائے بڑھتی گئی۔ جرمنی کے سپاہیوں، افسروں اور جرائد نگاروں کو یہ اعتراف ہے کہ سرخ فوج نہ صرف اخلاقی حیثیت سے استوار اور دلیر ہے بلکہ سامان جنگ سے پوری طرح آراستہ ہے۔

ایک ادعا کی تردید

چند ہفتے قبل سوویٹ روس نے ایک کمیونیکے میں ایک جرمن سپاہی کا بیان شائع کیا تھا جو میدان جنگ میں گرفتار کیا گیا تھا۔ اس بیان میں اس سپاہی نے کہا تھا کہ "آغاز جنگ سے جو سپاہی اس محاذ پر لڑ رہے ہیں اُن کا بیان ہے کہ روسی سپاہی بہ نسبت گزشتہ سال کے اس وقت بہتر اسلحات سے مسلح ہیں"۔ اس جرمن سپاہی کی اس شہادت سے واقعات پر بڑی روشنی پڑتی ہے۔ سوویٹ روس کے صنعتی کارخانے سرخ فوج کے لئے لگاتار اسلحات تیار کر رہے ہیں اگرچہ ہٹلر نے ایک سال پہلے یہ بیان کیا تھا کہ "سوویٹ یونین کو ایسی کاری ضرب لگائی گئی ہے وہ پھر کبھی سنبھل نہ سکے گی"۔ ایک سال گزر چکا اور ہٹلر کے اس دعوے کی تردید خود اس کے سپاہی کر رہے ہیں۔ ہٹلر نے ایک وحشت پھیلا کر نہ صرف جرمنی بلکہ سارے یورپ کے جنگی صنعتوں کے کارخانوں کو مجبور کر دیا کہ وہ نازی فوجوں کے لئے اسلحات تیار کریں۔ فرانس، چیکوسلوکیہ، بلجیم، ڈنمارک، ہالینڈ اور ناروے کے سارے کارخانے ہٹلر کی فوجوں کے لئے اسلحات تیار کرنے میں مصروف ہیں۔ یورپ کے مقبوضہ علاقوں سے لاکھوں مزدور ان کارخانوں میں کام کرنے کے لئے بہ جبر لائے جا رہے ہیں۔

سوویٹ روس کے کارخانوں کو ایک سال سے سارے یورپ کے کارخانوں سے مقابلہ کرنا پڑ رہا ہے۔ جرمنی کے اچانک حملے سے سوویٹ روس مجبور ہو گیا تھا کہ ان علاقوں سے پیچھے ہٹ جائے جو صنعتی اعتبار سے بڑی اہمیت رکھتے تھے لیکن سوویٹ روس کے باشندوں کی حب الوطنی کا یہ کرشمہ تھا کہ صنعتوں کا ایک بہت بڑا حصہ بیک وقت غیر محفوظ علاقوں سے منتقل کر دیا گیا۔ ان محفوظ علاقوں میں عجلت کے ساتھ کارخانے قائم کر دئے گئے۔

ان کارخانوں کی پیداوار کافی بڑھی ہوئی ہے اور یہی وجہ ہے کہ سوویٹ روس اپنی جان توڑ مدافعت جاری رکھ سکا۔ ایک بڑا علاقہ کھونے کے باوجود سوویٹ روس میں اسلحات کی پیداوار جنگ سے پہلے کی مقدار سے بڑھی ہوئی ہے۔ جنگ سے پہلے صنعتی پیداوار میں روس کا درجہ امریکہ کے بعد دوسرے نمبر پر تھا۔ جرمنی، برطانیہ، فرانس اور دوسرے ممالک کا درجہ روس کے بعد تھا۔

پنج سالہ لائحہ عمل

جس وقت اسٹالن نے روس کو صنعتی بنانے کی کوشش شروع کی تو روس کے بعض مخالفین معاندانہ پروپیگنڈا کر رہے تھے۔ اسٹالن بار بار یہ استدلال پیش کرتا تھا کہ اگر ملک کو صنعتی نہیں بنایا گیا تو غیر صنعتی ہونے کی وجہ سے سوویٹ روس بیرونی حملے کا آسانی سے شکار ہو سکے گا اور اس میں مدافعت کی قوت نہ رہے گی۔ اسٹالن کی کوششوں سے پنج سالہ لائحہ عمل مرتب کیا گیا جس نے روس کی معاشی حالت میں ایک انقلاب پیدا کر دیا۔ اسٹالن ہی کی دور اندیشی کا یہ نتیجہ تھا کہ سوویٹ روس کے مشرقی علاقوں میں صنعتی مراکز وجود میں آگئے جو اس وقت ہٹلر کا مقابلہ کرنے میں مدد دے رہے ہیں۔ اسی پنج سالہ لائحہ عمل کے تحت روس کے جنوب میں متعدد صنعتوں کا قیام عمل میں لایا گیا تھا۔ جنگ سے پہلے سوویٹ روس کی بعض صنعتیں جنوب میں قائم تھیں۔ جنگ شروع ہوتے ہی یہ ساری صنعتیں مشرقی علاقوں میں منتقل کر دی گئیں جن میں طیارے، ٹینک اور توپیں بنانے کے کارخانے بھی شامل ہیں۔

ایک اہم اعتراف

سوویٹ روس کی صنعتی ترقی کا جن لوگوں نے مطالعہ نہیں کیا وہ حیرت سے دریافت کرتے ہیں کہ سرخ فوج کو جرمن حملے کا مقابلہ کرنے کے لئے اتنے اسلحات کہاں سے دستیاب ہو گئے۔ سوویٹ روس کی طاقت کا راز محض روس کے باشندوں کی حب الوطنی اور جوش و خروش میں نہیں بلکہ اس واقعہ میں بھی مضمر ہے کہ انہوں نے نہایت دور اندیشی سے بروقت اپنے ملک کو صنعتی بنا لیا تھا۔ اور مبصرین کا خیال ہے کہ روس کی صنعتی طاقت ہی اس کو کامیابی سے ہمکنار کرے گی۔ دوران جنگ میں بھی روس کی صنعتی ترقی برابر جاری ہے۔ روسی کارخانے تمام عصری اسلحات تیار کرنے میں مصروف ہیں۔ اس کے بالمقابل جرمنی کی جنگی پیداوار کا بیشتر حصہ اس نقصان کی پابجائی کے لئے وقف کیا جا رہا ہے جو روس کے محاذ پر جرمنی کو ہو رہا ہے۔ جرمنی کے حالات زیادہ سے زیادہ اسلحات کے طالب ہیں۔ نازی اخباروں نے ایک مہم شروع کر دی ہے کہ عوام کو جنگ کے چوتھے سال کے لئے تیار کیا جائے۔ جنگی صنعتوں میں جو مزدور مصروف ہیں اُن سے اتنی محنت لی جا رہی ہے جو ان کی برداشت سے باہر ہے۔

بیٹھے ہوتے ہیں جن مزدوروں کو کافی غذا سے محروم رکھا جاتا ہے وہ اپنی محنت کی رفتار کو برقرار رکھنے کے ناقابل ہوتے جا رہے ہیں۔ بعض صنعتوں میں جو مزدور کام کر رہے ہیں ان کی ایک بڑی تعداد یورپ کے مفتوحہ علاقوں سے لائی گئی ہے جن کا کام کچھ تشفی بخش نہیں ہے۔ نازی ماہرین معاشیات کا اندازہ ہے کہ جرمنی کو ابھی بیس لاکھ مزدوروں کی ضرورت ہے۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ اگر جنگ اور طویل ہو جائے تو جرمنی مزدوروں کا مسئلہ حل کرنے سے قاصر رہے گا۔ جرمن کا اخبار لکھتا ہے کہ "ہم اس پوزیشن میں نہیں ہیں کہ روس میں اتنی ہی کارروائیاں اس طرح چلا سکیں جس طرح کہ فرانس میں چلائی گئی تھیں — جیسے ایک ضرب میں روسی فوجوں کا قلع قمع کر دیں۔" غرض کہ نازی پروپگنڈا ان بڑھتی ہوئی دشواریوں اور خطرات کو اب چھپا نہیں سکتا جو روس کی مہم میں درپیش ہیں۔ چنانچہ گزشتہ ہفتہ نازی پارٹی کی سالگرہ کے موقع پر مارشل گورنگ نے تقریر کرتے ہوئے محاذ روس پر جرمنوں کی حالیہ پسپائی کا اعتراف کیا اور یہ کہا کہ "ان حالیہ پسپائیوں کے ذمہ دار خود جرمن ہیں"۔ محاذ روس کی نسبت گورنگ نے صاف گوئی کے ساتھ اس امر کا اعتراف کیا کہ "خود ہٹلر نے روسی فوج کی طاقت اور اس کے جذبہ کی نسبت غلط اندازہ لگایا تھا"۔ فن لینڈ کے خلاف روس کی لڑائی کا ذکر کرتے ہوئے گورنگ نے بیان کیا کہ "وہ تاریخ کا ایک بڑا فریب نظر تھا۔ روسیوں نے پرانے ہتھیار کے ساتھ چند دستے فن لینڈ کے خلاف روانہ کئے تھے لیکن وہ پردے کے پیچھے جدید ترین اسلحات کے ساتھ لاکھوں سپاہی تیار کرتے رہے"۔ مارشل گورنگ کا یہ اعتراف ایک طرف جنگ کے آخری نتیجہ پر روشنی ڈالتا ہے اور دوسری طرف بتلاتا ہے کہ سوویٹ روس کی قوت کا راز کیا ہے۔

"صورت حال سے نمٹنے کے امکانات معلوم کرنے کے لئے میں مسرت سے جو احاطہ بمبئی کی چھوٹی سی ریاست سے حیدرآباد آیا ہوں۔ علاقہ بمبئی کے عوام کی پریشانی اور اس کے اسباب سے میں ذاتی واقفیت رکھتا ہوں جس طرح کے حالات آپ نے حد تشویشناک ہیں۔ اندیشہ ہے کہ مستقبل قریب میں یہ کوئی ناگوار صورت اختیار نہ کریں۔ وہاں جوار کا نرخ فی روپیہ چار سیر اور چاول کا نرخ ۱½ تا ۲ سیر ہے۔ اس کا مقابلہ حیدرآباد کے نرخوں سے کیجئے۔ زمین آسمان کا فرق نظر آئے گا۔ یہ باشندگان ریاست کی خوش قسمتی ہے کہ انہیں ایک روپیہ عالی میں ۱۰ تا ۹ سیر جوار اور ۳ تا ۳½ سیر چاول مل جاتے ہیں پھر تقریباً تمام اجناس کی اس قدر مقدار موجود ہے جو عام ضروریات کے لئے کفایت کرتی ہے۔ اگر سامان خوردنی کے ضمن میں حیدرآباد کی صورت حال کو میں برطانوی ہند اور دوسری ہندوستانی ریاستوں کے باشندوں کے حق میں قابل رشک قرار دوں تو کچھ بے جا نہ ہوگا۔ بہرحال ہم اس حد تک تو ریاست حیدرآباد ...

جی سنتوش [illegible]

مراسلات

حیدرآباد میں برطانوی ہند سے زیادہ سہولتیں ہیں

(۱)

بخدمت جناب ایڈیٹر صاحب "مملکت"

صوبہ جات متوسط میں اجناس خوردنی کی زبردست قلت ہونے سے ناگزیر طور پر گزشتہ تین چار مہینوں میں نرخ اس قدر بڑھ گئے ہیں کہ زمانہ سابق میں اس کی کوئی مثال نہیں مل سکتی۔ تمام صوبے کی حالت نہایت ابتر ہے۔ بمبئی کے حالات بھی کچھ بہتر نہیں۔ مدراس اور دوسرے برطانوی صوبوں میں بھی قلت ہے۔ مجھے سردست اس سے بحث نہیں کہ اس نازک صورت حال کے اسباب کیا ہیں۔ موجودہ جنگ کے پیدا کردہ غیر معمولی حالات نے نہ صرف ہندوستان بلکہ دوسرے ممالک کے بھی معاشی نظام کو درہم برہم کر دیا عام اس سے کہ وہ جنگ میں شریک ہوں یا غیر جانب دار ہوں۔ یہ ایک الم ناک حقیقت ہے کہ وہی ہندوستان جو بڑی حد تک زرعی ملک ہے اور جہاں زیادہ تر اجناس خوردنی کی کاشت ہوتی ہے اب سامان خورد و نوش کے سلسلے میں نہایت نازک صورت کا مقابلہ کر رہا ہے۔ اس ملک کے طول و عرض میں ہر جگہ یہ دردناک منظر دکھائی دے گا کہ سرکاری دوکانوں کے آگے پریشان حال مرد اور عورتیں ایک دو سیر جوار یا دیگر جنس حاصل کرنے کے لئے گھنٹوں کھڑے ہوتے ہیں۔

ہر حکومت کا اولین فریضہ یہ ہے کہ وہ مصارف کی پرواہ کئے بغیر اپنی رعایا کے خوراک و پوشاک کا بندوبست کرے۔ میں صوبہ جات متوسط ناگپور و برار کا باشندہ ہوں۔ یہاں اور بمبئی میں غلہ کی جو قلت ہے بیان نہیں کی جا سکتی۔ ناگپور میں جوار روپے کے ۴½ سیر تا ۵ سیر ملتی ہے اور چاول ۲½ تا ۳ سیر۔ اس صوبے کے دوسرے شہروں اور قصبوں میں بھی تقریباً یہی نرخ ہیں۔ بمبئی میں تو بدتر حالات کا دور دورہ ہے۔ ناسک کو لیجئے وہاں جوار روپے کو ۴ سیر تا ۴½ سیر کے حساب سے بکتی ہے۔ اچھا چاول جس کا مقامی نام امباموہر ہے بحساب ایک روپیہ ۸ آنے یا ایک روپیہ ۱۲ آنے فی پائلی یعنی ۴ سیر فروخت ہوتا ہے۔ موٹا چاول جو غریبوں کی غذا ہے فی روپیہ ۲½ سیر تا چار سیر ملتا ہے۔ تو لاؤ میں تو چاول ایک نعمت ہے اور ایک روپیہ میں صرف ایک سیر یا زیادہ سے زیادہ ۱½ سیر چاول مل سکتی ہے۔ بمبئی اور پونہ میں تو گیہوں اور جوار مطلق ملتے ہی نہیں۔ بمبئی میں چاول کا آٹا فی سیر دس آنے کے حساب سے فروخت ہوتا ہے۔ چاول کی قیمت بارہ آنے فی سیر ہے۔ پونا میں گیہوں اور جوار نہ تو سرکاری دوکان میں ملتے ہیں نہ عام بازار میں۔ ان حالات کی نزاکت کا شاید اس حقیقت کے انکشاف سے بہتر اندازہ ہو سکے گا کہ جوار اور گیہوں ہی پر ان صوبہ جات کا دار و مدار ہے۔ باجرہ کا نرخ ۳ سیر اور چاول کا نرخ ۲ تا ۲½ سیر فی روپیہ ہے۔ بمبئی اور پونا کی سرکاری دکانوں میں شکر کافی مقدار میں نہیں مل رہی ہے البتہ چھ آنے فی سیر کے حساب سے ہر خاندان کو روزانہ آدھ سیر شکر مل جاتی ہے۔ اس کے حاصل کرنے میں جو دقتیں ہیں وہ بھی غور طلب ہیں۔ مقررہ مقدار لینے کے لئے دو تین گھنٹے صرف کرنا پڑتے ہیں۔

ان واقعات کے مد نظر کوئی تعجب کی بات نہیں اگر اشیائے خوردنی کے لئے ہنگامے ہو جائیں۔ مثال کے طور پر ناسک اور شعر پتی اور دوسرے مقامات کے ہنگاموں کو پیش کیا جا سکتا ہے۔ بیرون ریاست سے حیدرآباد کو آنے والے اس حقیقت سے بے حد متاثر ہوتے ہیں کہ ہندوستان کی یہ سب سے بڑی ریاست اجناس کی فراہمی کے مسئلہ کو نہایت آسانی سے حل کر رہی ہے۔ بیرونی افراد کو یقین نہیں آ سکتا اگر ان سے کہا جائے کہ یہاں کے بازاروں میں سہولت کے ساتھ ۱۰ سیر جوار اور ۳ تا ۳½ سیر چاول فی روپیہ حالی مل رہے ہیں۔ بلدہ حیدرآباد میں کافی تعداد میں سرکاری دکانات قائم کرنے کی وجہ سے عوام کو بہت بڑی مصیبت سے چھٹکارا مل گیا ہے اور انہیں بلا دقت سستے نرخوں پر غلہ مل رہا ہے۔ یہ سہولتیں دراصل حکومت کی کارکردگی اور موثر پالیسی کا نتیجہ ہیں۔ یہ طریق کار برطانوی ہند کے نگرانی نرخ اشیاء کے عہدہ داروں کے لئے قابل تقلید ہے۔ اس ریاست کے ہمسایہ برطانوی صوبہ جات کو چاہئے کہ یہاں کے طریق کار کا مطالعہ کریں اور اس سے متمتع ہوں۔ جہاں تک مجھے علم ہے حکومت سرکار عالی نے جوار کی عام برآمد قطعاً مسدود کر دی ہے۔ بمبئی اور صوبہ جات متوسط میں بیشتر حیدرآبادی جوار استعمال ہو رہی ہے۔ اس لئے میں حکومت سرکار عالی سے اپیل کرتا ہوں کہ وہ اپنی فیاضی سے ہمسایہ صوبوں کی مصیبت میں کام آئے۔ صوبہ جات متوسط و برار اور بمبئی کے علاقے میں جوار کی زائد مقدار برآمد کئے جانے کی اجازت عطا کرے اور ان صوبوں کے باشندوں کو فاقہ کشی کی مصیبت سے نجات دلائے۔

کے ایس ٹکلکی

---

(۲)

بخدمت جناب ایڈیٹر صاحب مملکت

جناب عالی۔ میں بے حد ممنون ہوں گا اگر آپ سطور ذیل کو اپنے موقر اخبار میں شائع فرمائیں:

ہندوستان میں گرانی اور قلت کا مسئلہ بے حد پریشان کن ہو گیا ہے۔ ایک طرف تو غلہ اور دوسری ضروریات زندگی کے نرخ غیر معمولی طور پر بڑھ گئے ہیں تو دوسری جانب بڑھتے ہوئے نرخوں پر بھی ان اشیا کی کافی مقدار حاصل کرنا ناممکن ہے۔ اس وقت [illegible]

ممالک محروسہ میں جنگلات کا انتظام

جنگی ضروریات کے باعث چوبی صنعت کی ترقی

جنگی ضروریات کے باعث ممالک محروسہ کی دوسری صنعتوں کی طرح جنگلات میں بھی نمایاں اضافہ ہوا ہے۔ چنانچہ گزشتہ سال جنگلات کی آمدنی میں کافی زیادتی ہوئی ہے۔ آمدنی میں مجموعی اضافہ کی مقدار (۳،۳۳،۹۲۰) روپے تھی جس میں سے ۳ لاکھ ۱۳ ہزار روپے جنگلات کی اہم پیداوار کی فروخت سے حاصل ہوئے اور ایک لاکھ روپے کی آمدنی معمولی پیداوار کی فروخت سے ہوئی اور اس کی وجہ یہ ہے کہ جنگ کے باعث زیادہ قیمتیں حاصل ہوئی ہیں۔ جنگی مطالبہ کی تکمیل کرنے اور عمارتی لکڑی کم رکھنے کے خیال سے (۴۰) نئے کوپ لگائے گئے ہیں جن کا رقبہ چار ہزار ایکڑ ہے۔

نمایاں بچت۔

گزشتہ سال محکمہ جنگلات کی بچت کی مقدار (۱۰) لاکھ روپے سے کچھ زیادہ تھی سابقہ سال (۱۵) لاکھ (۲۷) ہزار آمدنی ہوئی تھی لیکن اس کے برعکس گزشتہ سال (۲۰) لاکھ (۱۰) ہزار روپے آمدنی ہوئی اور مجموعی مصارف کی مقدار (۱۰) لاکھ تھی۔ (۲۱) لاکھ (۸۳) ہزار روپے اہم پیداوار کی فروخت سے۔ اس کے علاوہ (۹۹،۲۷۰) روپے کی آمدنی متفرق پیداواروں سے بھی ہوئی۔ اس کے برعکس ۱۳۵۰ف میں یہ اعداد علی الترتیب (۹) لاکھ (۱۹) ہزار روپے (۵) لاکھ (۳۱) ہزار روپے اور (۹۸،۲۲۵) روپے تھے۔

جنگی ضروریات۔

جنگی ضروریات کے لئے جن چوبی اشیاء کی فرمائش کی گئی ہے وہ فراہم کی جارہی ہیں اور یہ اشیاء ساگوانی تختوں، سال کے لٹھوں، جھونپڑی بنانے کی چیزوں اور سلیپروں پر مشتمل ہیں۔ محکمہ ہذا جو لکڑی فراہم کر رہا ہے اس کی مجموعی مقدار (۵۰،۳۰۹) کیوبک فیٹ ہے اور یہ مقدار اس مقدار کی پانچ گنی ہے جو حکومت ہند کے محکمہ سپلائی نے اس محکمہ کے لئے مقرر کی تھی۔ جو جنگلات اب تک محصور نہ کئے گئے تھے وہ اب محصور کئے جارہے ہیں اور ان پر نگرانی قائم کی گئی ہے تاکہ فرمائشات کی تکمیل میں عجلت ہوسکے۔ جنگی اغراض کے لئے عمارتی لکڑی کی قیمتوں پر نگرانی کی ایک اسکیم بھی حکومت کی منظوری کے لئے پیش کی گئی ہے۔

ضروری امور۔

ممالک محروسہ میں جنگلات کا انتخاب اور ان کے تحفظ کے کام میں بھی گزشتہ سال نمایاں ترقی ہوئی ہے۔ چنانچہ قانون جنگلات کے تحت ۱۰،۰۰۰ مربع میل کو منتقل کیا گیا اور تخمیناً ممالک محروسہ میں مخصوص کردہ اور محصور کردہ جنگلات کا رقبہ ممالک محروسہ کے مجموعی رقبہ کا تقریباً (۱۰) فیصد ہے غیر محصورہ جنگلات میں سے صرف (۱۰۰۰) مربع میل انتخاب کے لئے رہ گیا ہے۔ جس میں سے آئندہ موسم میں (۵۰) فیصد کو محصور کردیئے کی توقع ہے۔

نئے پودے۔

گزشتہ سال کے اختتام پر مصنوعی جنگل سازی کے تحت (۱۴۰۰۰) ایکڑ رقبہ تھا یعنی سابقہ سال کے مقابلہ میں (۳۰۰۰) ایکڑ کا اضافہ ہوا۔ جو خاص پودے لگائے گئے وہ ساگ، انسپ اور توتھیا ہیں یعنی زرعی اور جنگل سازی کا مشترکہ طریقہ جو ممالک محروسہ کے بعض حصوں میں گزشتہ چند سال سے جنگل سازی کا جزو بنا ہوا ہے اختیار کیا گیا۔ پیوند سازی و انتقال کے تحت جو کام ہوا وہ برطانوی ہند میں اختیار کردہ مختلف نئے طریقوں کے مطابق انجام دیا گیا لیکن پودے لگانے کے مصارف کے ضمن میں کافی بچت ہوئی اور مصارف کی نمایاں بچت کے علاوہ کثیر تعداد کو روزگار مل گیا اور زمین کی زرخیزی اور پودوں کے نشو و نما میں بھی ترقی ہوئی مزید برآں پودے لگانے کے کام کو آئندہ زیادہ کامیاب بنانے کی غرض سے بیج فراہم کرنے کا کام گزشتہ سالوں کے مقابلہ میں زیادہ وسیع پیمانہ پر کیا گیا۔

پرورش گاہوں میں اضافہ۔

پودوں کی عارضی پرورش گاہوں کی تعداد میں اضافہ کیا گیا یہ پرورش گاہیں ہر سال قائم کی جاتی ہیں اور تقریباً ہر ایک صحراوار کے حدود میں موجود ہوتی ہیں۔ اس کے علاوہ ڈویژنل اور رینج آفسروں سے ملحق اور آرامگاہوں اور کاشت گاہوں کے قریب خشک پرورش گاہیں بھی کثیر تعداد میں قائم کی گئیں۔ یہ پرورش گاہیں معمولی کاشت گاہوں محکمہ تعمیرات عامہ اور لوکل فنڈ کے لئے شجریات اور خوش نما پودوں سے متعلق معلومات حاصل کرنے کا مرکز ہیں اور پارکوں اور خانگی املاک کے لئے بھی موزوں پودے فراہم کئے جاتے ہیں۔ اس ضمن میں ہر سال پودے لگانے کے دن کا تذکرہ کردینا بھی مناسب ہے جو ۱۳ اسفندار سے اعلیٰحضرت بندگانعالی کی سالگرہ کے دن منایا جاتا ہے اور اس روز بیکٹر جنرل سے لے کر فارسٹ گارڈ تک محکمہ جنگلات کے تقریباً سب عہدہ دار دوسرے محکموں کے مقامی عہدہ داروں اور عوام کے تعاون سے پودے لگاتے ہیں۔ گزشتہ سال بھی یہ دن منایا گیا اور عوام میں جنگلات لگانے کے احساس کا ایک بہتر مظاہرہ ثابت ہوا۔

جنگل سازی۔

جنگلوں کو معدوم ہونے سے روکنے کی تدابیر کے ساتھ ساتھ گزشتہ سال جنگل سازی کا کام بھی جاری رہا۔ اور بہت کم مصارف سے بازیابی اور جنگل سازی کے خاص طریقے اختیار کئے گئے۔ سیتاپھل اور تروز کے درختوں کی کاشت وسیع پیمانہ پر کی گئی جس کی وجہ سے نہ صرف زمین کی حالت درست ہوگئی بلکہ کثیر تعداد کے لئے روزگار فراہم ہوجانے اور قحط اور کال کے زمانہ میں غذا فراہم کرنے کی بھی ایک صورت نکل آئی یہ طریقہ کار اضلاع نلگنڈہ، میدک، محبوب نگر، اورنگ آباد، گلبرگہ اور رائچور میں خاص طور پر اختیار کیا گیا جہاں جنگلات بہت کم ہیں۔

زمین کا کٹاؤ۔

جن علاقوں میں زمین ڈھلوان ہے اور جنگلات بہت کم ہیں وہاں زمین کے کٹاؤ کو مسلسل اور ادنیٰ قسم کی زیریں زمین کی صورت میں نمودار ہوتا ہے۔ وہاں جنگل سازی کو ترقی دینے کے لئے توتھیا پر عمل کیا گیا ہے یعنی کاشت اور جنگل سازی کا مشترکہ طریقہ اختیار کیا گیا ہے۔ جس کا مقصد یہ ہے کہ سودی کا انسداد ہو سکے اور زیادہ درخت لگائے جائیں تاکہ زمین کی نمی محفوظ رکھنے میں مدد ملے۔ علاقہ مرہٹواڑہ کے پہاڑی حصوں اور تلنگانہ کے بعض اضلاع میں ایک مختلف مسئلہ درپیش ہے۔ کیونکہ یہاں جنگل معدوم ہوگئے ہیں اور جانور لوگ مویشی بھی چرائے جاتے ہیں جن کی وجہ سے زمین سبزہ سے بالکل خالی رہتی ہے چنانچہ اضلاع گلبرگہ اور رائچور میں یہ دریافت کرنے کے لئے تجربات کئے جارہے ہیں کہ محض جنگل سازی کے ذریعہ زمین کی زرخیزی کو بحال کرنے کا کہاں تک امکان ہے۔ فنی اعتبار سے جنگل سازی کے لئے یہ ضروری ہے کہ ایک خاص حصہ میں صرف وہی پودے لگائے جائیں جو اس زمین کی نوعیت کے اعتبار سے موزوں ہوں چنانچہ محکمہ جنگلات اس مسئلہ پر پوری توجہ کر رہا ہے۔

گنگورہ ہل اسٹیشن

(تقریر ڈاکٹر غلام محی الدین صاحب جو نشرگاہ اورنگ آباد سے نشر کی گئی)

شہر اورنگ آباد کے اکثر و بیشتر باشندے گنگورہ پہاڑ سے بخوبی واقف ہیں۔ دہلی دروازہ سے اجنتہ کی سڑک پر جاتے ہوئے آٹھ میل کے فاصلہ پر قریب موضع چوکہ ایک گھاٹ کی سڑک ملتی ہے جس کے دونوں جانب بلند پہاڑ واقع ہیں۔ سیدھی جانب گنگورہ پہاڑ کا بلند سلسلہ ہے۔ یہ پہاڑ سطح سمندر سے تین ہزار چالیس فٹ بلند اور ممالک محروسہ سرکار عالی کے بلند ترین پہاڑوں میں تیسرے درجہ پر شمار ہوتا ہے۔ مگر رقبہ و وسعت سطح مرتفع اس کو دوسرے درجہ پر پہنچا دیتا ہے۔ پرنا بہنہ اور ستار پہاڑ جو ضلع گنگرا میں واقع ہیں اس سے بلند ہیں مگر یہ صرف جغرافی نقطے ہیں اور تنگ دامن۔ ان کے علاوہ ایک پہاڑ اور ہے لیکن اس کا مرتفع رقبہ بھی محدود ہے۔ جو ہستال کا نام آپ نے سنا ہوگا۔ یہ خلد آباد سے چند میل جانب شمال واقع ہے یہاں گورنمنٹ کی جانب سے پختہ بنگلہ اس خیال سے تعمیر کرایا گیا تھا کہ اس کو ہل اسٹیشن بنایا جائے لیکن پہاڑ کی چوٹی پر سطح رقبہ تھوڑے ہونے سے اس مقام کی آئندہ ترقی مشکل نظر آتی ہے۔

ہر گرم ملک میں بلند پہاڑوں کی قدر و قیمت اس میں ہے کہ ان میں ایسے اسباب موجود ہوں جو ان کو گرمائی مقام بنانے میں امداد دے سکیں۔ مقام بلند ہو وسعت کافی ہو۔ آبرسانی کا امکان ہو۔ زمین زرخیز ہو۔ چند و سایہ دار درخت اگر موجود نہ ہوں تو لگائے جا سکیں شاداب چمن و باغ لگائے جا سکیں۔ آباد شہروں سے قریب ہو وغیرہ وغیرہ۔

کل تحقیق کے بعد محکمہ انجینیران سرکار عالی اس نتیجہ پر پہنچے ہیں کہ ممالک محروسہ سرکار عالی کے تمام بلند پہاڑوں میں گنگورہ ہی ایسا پہاڑ ہے جس میں نسبتاً وہ تمام اسباب موجود ہیں جو گرمائی مقام کے لئے ضروری ہیں چنانچہ چند سال قبل ایک اسکیم اسپیشل انجینیر مولوی خطیب محمود حسین صاحب مرحوم کی جانب سے گورنمنٹ میں پیش ہوئی تھی جو عدم گنجائش سرمایہ کے بنا پر نامنظور ہو گئی۔ اس وقت سے اب تک کوئی کارروائی سرکار کے جانب سے عمل میں نہیں آئی۔ البتہ اس پہاڑ کی اراضی علاقہ جنگلات میں واقع ہونے سے محکمہ جانب سررشتہ ایسے کام انجام دئے جا رہے ہیں جن سے اس مقام کی خصوصیت نمایاں ہو کے اور ہر دیکھنے والا محسوس کرے کہ یہ پہاڑ اپنی خصوصیات کے باعث ایک عمدہ گرمائی مقام بن سکتا ہے۔

اس مختصر سے تعارف کے بعد اس پہاڑ کی جغرافی و طبعی حالت اور اس کے بعد ان کاموں کی تفصیل پیش کی جاتی ہے جو سررشتہ جنگلات کے طرف سے انجام دئے گئے ہیں۔

یہ پہاڑ اورنگ آباد کے شمال میں بخط مستقیم (۸) میل پر واقع ہے نواحی علاقہ سے اس کی پستی بلندی ایک ہزار فٹ سے زائد ہے۔ پہاڑ کی جنوبی ڈھال جس کا رخ اورنگ آباد کی طرف ہے ایک سخت دیوار کی طرح سیدھی ہے۔ شمالی ڈھال البتہ تدریجی واقع ہوئی ہے۔ تدریجی ڈھال کی طرف ایک شکل یہ بھی پیدا ہو گئی ہے کہ جب بلندی دو ہزار سات سو فٹ پر پہنچتی ہے۔ ایک بہت ہی وسیع اور سطح میدان وجود میں آیا ہے جس کا رقبہ تقریباً دو ہزار ایکڑ ہے یہ گنگورہ پہاڑ کی نچلی سطح مرتفع ہے جو ساورلہ کے نام موسوم ہے اس سے تین سو چالیس فٹ بلند دوسری سطح ہے جو گنگورہ کہلاتی ہے اس کا رقبہ آٹھ سو ایکڑ سے زائد ہوگا ان دونوں رقبوں کی زمین نہایت مسطح اور زرخیز ہے۔ باغ وغیرہ کی کاشت خصوصیت کے ساتھ اچھی ہو سکتی ہے۔

سرزمین اورنگ آباد کو قدرت نے اول ہی سے خوشگوار آب و ہوا بخشی ہے اس پر پہاڑ کی بلندی نے گنگورہ کو نایاب بنا دیا ہے۔ پھر یہاں کے قدرتی نظارے بھی دلربایوں سے خالی نہیں ہیں پہاڑ کے کنارے کھڑے ہو کر ایک ہزار فٹ بلندی کی عظمت سینکڑوں مقاموں سے محسوس کی جا سکتی ہے۔ شہر اورنگ آباد و مضافات کا خوشنما منظر عمیق وادیوں اور کوہساروں سے گھرا ہوا ایک خصوصا دلچسپ منظر ہے۔ جو اس مقام کے نصیب میں آیا ہے۔ وسط گرما میں پارہ حرارت کبھی اکیسو درجہ سے اوپر نہیں جاتا۔ اور اس موسم کی راتوں میں (۵۵ و ۷۰) درجہ تک نیچے اتر آتا ہے۔ پانی بھی بکثرت موجود ہے۔ شہر اورنگ آباد کی گیارہ مشہور نہروں کے منجملہ ۳ نہریں اس پہاڑ کے دامن سے نکلتی ہیں۔ جس سے ثابت ہوتا ہے کہ اس کی زیر اراضی گہرائیوں میں کافی افراط سے موجود ہے۔ بطور تجربہ سررشتہ جنگلات کی جانب سے ایک باؤلی بلند ترین حصہ پہاڑ پر کھدوائی گئی تھی جس کے عین وسط میں سطح زمین سے (۸) فٹ نیچے پانی برآمد ہوا۔ یہ بین ثبوت ہے پانی کی بہتات کا۔

الغرض اس مقام میں وہ تمام اسباب موجود ہیں جو ایک گرمائی مقام کے لئے لازمی ہیں۔ مقام اتنا کشادہ ہے کہ سینکڑوں بنگلے تعمیر پا سکتے ہیں۔ آب و ہوا نہایت خوشگوار ہے۔ مناظر دلچسپ ہیں۔ زمین زرخیز ہے پانی بکثرت ہے۔ وہ بیان کر دیا گیا کہ یہاں قیام ہل اسٹیشن کی اسکیم فی الحال گورنمنٹ کے زیر غور نہیں ہے لیکن گنگورہ کے قدرتی عطیہ کو سررشتہ جنگلات نظر انداز نہ کر سکا کیونکہ ہر حصہ صحرائی کے وسائل سے کامل استفادہ حاصل کرنا سررشتہ کا عین فرض ہے۔ فی الوقت اس پہاڑ کی اراضی پیداوار گاہ کے لئے مخصوص ہے لیکن اس میں بہترین اقسام کے درخت پیدا کرنے کی صلاحیت بھی موجود ہے اس لئے وسیع پیمانہ پر تنصیب اشجار کا کام آغاز کر دیا گیا۔ یہاں جنگل کی موجودگی اس لئے بھی ضرورت ہے کہ اگر کسی زمانہ مستقبل میں یہاں ہل اسٹیشن کی اسکیم نافذ کی جائیں تو اس وقت مکمل صحرا موجود رہے تو فیر صحرا کے ساتھ ساتھ ذریعہ آب و تعمیر سڑک کا انتظام بھی کیا گیا ہے۔ دو بنگلے مختلف بلندیوں پر تعمیر کئے گئے ہیں۔ ایک دو ہزار آٹھ سو فٹ پر اور دوسرا انتہائی بلندی تین ہزار چالیس پر۔ دونوں بنگلے فرنیچر و دیگر سامان آسائش سے لیس ہیں۔

پہاڑ پر جانے کے لئے موضع چوکہ کے قریب گیارہویں میل کے پتھر سے بائیں جانب سڑک جنگلات تعمیر ہوئی ہے۔ یہ سڑک مختلف گاؤں سے گزر کر پہاڑ کی انتہائی بلندی تک پہنچتی ہے۔ سڑک کچی مگر اس قدر کشادہ و مضبوط ہے کہ موٹر رانی کے لئے کسی طرح خطرناک نہیں۔

تنصیب اشجار۔ سڑک و بنگلہ جات کی تعمیر ایک خاص پلان کے تحت کی جا رہی ہے تاکہ آئندہ اسکیم کے اجرا میں کسی قسم کی رکاوٹ پیدا نہ ہو بلکہ ایسی داغ بیل ڈالی جا رہی ہے جو ابھی سے ایک مکمل ہل اسٹیشن کی تشکیل کا پتہ دیتی ہے۔

اس سے مگر یہ تصور نہ کیا جائے کہ تمام کام شاہی پیمانہ پر کئے جا رہے ہیں یا سررشتہ جنگلات اپنے معمولی سرمایہ سے ایک ایسا ہل اسٹیشن قائم کر رہا ہے جس میں جنت کی فرحتیں۔ تصویر گھر۔ پبلک گارڈن گھوڑ دوڑ کے میدان۔ نمائش گاہیں۔ شاہی محل وغیرہ وغیرہ موجود ہوں گے۔ ایسی مہم تو گورنمنٹ کے مخصوص سرمایہ سے ہی تکمیل پا سکتی ہے۔ مختصر سرمایہ سے مختصر اہتمام کیا گیا ہے اس طرح کہ جو خاص مقام کی خصوصیت کو پبلک پر واضح کر دے۔ تھوڑے عرصہ کے بعد جب ہر بنیادی کام پایہ تکمیل کو پہنچ جائے یہ مقام نہ صرف عہدہ داران سرکاری بلکہ پبلک کی سیر و تفریح کے لئے بھی کھول دیا جائے گا۔ فقط۔

سیاسی نمک پارے

از

کشاف

مقامی اخبارات نے یہ خبر شائع کی ہے کہ:-

"بلدیہ کے خاشاک کی بھنڈیوں کے بھنگیوں نے مجلس بلدیہ کو دھمکی دی ہے کہ اگر ان کے معاوضہ میں اضافہ نہ کیا جائے تو وہ ہڑتال کر دیں گے۔ مجلس بلدیہ نے اس مسئلہ کو طے کرتے ہوئے یہ رائے ظاہر کی ہے کہ اگر مستاجر ہڑتال کریں تو قواعد ڈیفنس کے تحت کارروائی کی جا سکتی ہے کیونکہ بلدیہ کی خدمات ناگزیر خدمات میں داخل ہیں۔"

بعض شہریوں کی رائے ہے کہ قواعد ڈیفنس کے تحت مجلس بلدیہ کو برخاست کر دینا چاہیے کیونکہ موجودہ مجلس بلدیہ کی وجہ سے شہریوں میں منافرت کے جذبات پھیل رہے ہیں جس سے امن عامہ میں خلل پڑنے کا اندیشہ ہے۔

آندھرا کانفرنس میں کامریڈ اسوسی ایشن کے بعض ارکان کی شرکت کی خبر پڑھ کر ہمارے ایک دوست فرمانے لگے کہ کیا آندھرا کانفرنس فرقہ داریت سے اشتراکیت کی طرف جا رہی ہے یا اشتراکیت اپنا راستہ بھول کر آندھرا کانفرنس کے اندھیرے میں بھٹک رہی ہے۔ ہم نے جواب دیا کہ دوران جنگ میں اس مسئلہ پر کوئی روشنی نہیں ڈالی جا سکتی۔

اغذیہ کی کفایت کے پیش نظر حکومت بمبئی نے قواعد مدافعت کے تحت اعلان کیا ہے کہ ۵ر فروری کے بعد سے کوئی میزبان اپنے ہاں ضیافت عشائیہ عصرانہ اور اسی قسم کی کوئی ضیافت ترتیب دے کر پچاس یا اس سے زائد آدمیوں کو مدعو کرے۔ (ایک خبر)

ہماری رائے میں اگر چالیس چالیس مہمانوں کی کئی پارٹیاں مختلف اوقات میں مدعو کی جائیں تو اس سے قانون کا منشا بھی فوت نہیں ہوتا اور دیرینہ روایات بھی برقرار رہتی ہیں۔

ایک اخباری اطلاع ہے کہ:-

"کمیل علاقہ نواب سالار جنگ بہادر میں بدہنگامی ہونے کی وجہ سے ہٹنے کی تجاویز سے مقامی کام شروع کئے جا رہے ہیں۔"

کمیل کی بدہنگامی سے متعلق بعض مقامی اخبارات میں متواتر خبریں شائع ہوتی رہتی ہیں لیکن کمیل سے قریب جو بستان واقع ہیں ان کے متعلق نہ تو کوئی خبر شائع کی جاتی ہے اور نہ ان پر کوئی تبصرہ کیا جاتا ہے اور اس کی وجہ:-

ایں ہا ہمہ راز است کہ معلوم عوام است

ترکی صحافتی وفد کی سیاحت ہند پر "ملت کا واحد ترجمان" تبصرہ کرتے ہوئے لکھتا ہے کہ:-

"حکومت ہند کی دعوت پر ترکی صحافت کا وفد مسٹر آتائی کی زیر قیادت آج کل ہندوستان کا دورہ کر رہا ہے اس کا مقصد ہندوستان کی خوبصورتی اور اس کی پرانی تہذیب کو دیکھنا اس کے باشندوں سے ربط قائم کرنا اور اس کے مسائل کو سمجھنا ہے۔ اس وفد کی ہر جگہ دعوتیں ہو رہی ہیں اور اس سے سوالات پوچھے جا رہے ہیں اور جوابات حاصل کئے جا رہے ہیں۔ صدر وفد مذکور مسٹر آتائی کے بعض جواب ہندی مسلمانوں کو بہت عجیب معلوم ہو رہے ہیں۔"

ترکی صحافتی وفد کو ہمارا یہ مشورہ ہے کہ وہ کسی سوال کا جواب دینے سے پہلے "ملت کے واحد ترجمان" کی روش کو سمجھنے اور اس کی تقلید کرنے کی کوشش کرے۔ شعائر اسلامی کی حفاظت کا شور مچانا اور سینما کے خلاف اخلاق اور منافی اسلام اشتہارات شائع کرنا ہمارے معاصر کی امتیازی خصوصیت ہے۔ جس دو دنیا کی ایسی ہم آہنگی جمہوریہ ترکی میں مفقود ہے۔

سر پہ نے خم پہ چاہیے ہنگام بے خودی
رو سوئے قبلہ وقت مناجات چاہیے

ہٹلر نے (۱۶) سال سے (۶۵) سال تک کے مردوں اور (۱۸) سال سے (۵۰) سال تک کی عورتوں کو کارہائے جنگ میں بھرتی ہونے کا حکم دیا ہے۔ (رائٹر)

گویا ہٹلر نے مرے ہوئے اور پیدا ہونے والے جرمنوں کو مستثنیٰ قرار دیا ہے۔

"ریاستی مسلمانوں کے لئے تعمیری پروگرام۔ قائد ملت کی ریاست ہائے ہند کے دورہ پر روانگی" (اخباری سرخیاں)

تو در دون در چہ کردی کہ برون خانہ رفتی؟

نظام ساگر کی اطلاع ہے کہ وہاں دو ہفتوں سے شکر دستیاب نہیں ہو رہی ہے۔ (حیدرآباد پریس سرویس)

بودھن شکر فیکٹری کی یہ کیا ستم ظریفی ہے کہ نظام ساگر کے پانی سے گنے کی کاشت کی جائے۔ اور اسی گنے سے تیار کی ہوئی شکر سے نظام ساگر کے باشندوں کو محروم رکھا جائے۔ جب خیرات گھر سے شروع ہوتی ہے تو بیوپار کیوں گھر سے شروع نہ ہو؟

انسداد گداگری کے سلسلہ میں ایک ورقیہ شائع ہوا ہے جس میں لکھا گیا ہے کہ:-

"پیشہ ور گداگر ملک و قوم کی ذلت کا باعث ہیں۔ سماج کے دامن سے اس دھبہ کو مٹائیے۔"

پیشہ ور گداگر کے بجائے پیشہ ور لیڈر لکھا جاتا تو بہتر ہے۔

اشتہار مرتبہ محکمہ عدالت ضلع ورنگل

باجلاس مولوی میر احمد علی خاں ایم اے ایل ایل بی علیگ ایل ایل بی لندن ایل ایل ایم لندن بارایٹ لا ناظم عدالت ضلع ورنگل

نمبر مقدمہ (۳/۲-۱۳۵۳ف)

ڈیکٹس رنا مہندی ڈگری بنام موتی بیگم وغیرہ مدیون ان

دعویٰ

اجرائی ڈگری

بنام منی بیگم زوجہ سید بادشاہ حسینی قوم مسلمان عمر ۳۲ سال پیشہ جاگیرداری ساکن محلہ شاہ علی بنڈہ حیدرآباد دکن

۲۔ محبوب بیگم زوجہ سید بادشاہ حسینی قوم مسلمان عمر ۴۰ سال پیشہ زراعت وغیرہ ساکن گیٹ ریلوے ورنگل تعلقہ ورنگل

۵۔ چھوٹی بیگم عمرہ ۵ سال ۔ ۶۔ بی بی بیگم عمر ۲۰ سال پسران سید بادشاہ حسینی ساکنان گیٹ ریلوے ورنگل تعلقہ ورنگل

درگاہ مقدمہ صدر میں اشتہار ہے نام متعدد مرتبہ نوٹس جاری کئے گئے مگر بوجہ عدم حضوری عدم سکونت تعمیل بلا تعمیل واپس ہو گئے لہذا بذریعہ اشتہار ہذا تم کو اطلاع دی جاتی ہے کہ منجانب ڈگری دار درخواست تعمیل پیش ہوئی ہے جس کی سماعت کے لئے تاریخ پیشی ۲۰ر فروری ۱۳۵۴ف مقرر ہے پس تاریخ مذکور پر اصالتاً یا وکالتاً حاضر عدالت ہو کر جواب دہی کرو ورنہ کیوں نہ کارروائی یکطرفہ جاری کیا جائے۔

آج بتاریخ ۲۴ر اسفندار ۱۳۵۴ف میرے دستخط اور مہر عدالت سے جاری کیا گیا فقط

دستخط صیغہ دار عدالت — دستخط سررشتہ دار

کیا ہندوستان کے مسلمان ہندو ہیں؟

ڈاکٹر مونجے کو جواب

از
مسٹر اے آر کلکرنی ایڈووکیٹ ناگپور

میں نے کسی قدر حیرت کے ساتھ ڈاکٹر مونجے کا وہ مضمون پڑھا جو "مسلمان ہندوستان کے ہندو ہیں" کے عنوان کے تحت ۱۰ جنوری کو "نیو انڈیا" میں شائع ہوا ہے۔ یہ مضمون حسب ذیل الفاظ سے شروع ہوتا ہے۔

"ہمارا ملک ہندوستان کہلاتا ہے یعنی وہ مقام جہاں ہندو رہتے ہیں۔ زمانہ قدیم سے ہندو سرزمین ہند کے مالک رہے ہیں۔ ہندوستان کے ہندو چاہے کوئی مذہب رکھتے ہوں مگر جب تک وہ اپنے آپ کو ہندوستان کے ہندو کہلانے پر فخر کرتے رہیں گے اور ملک کی حفاظت کے لئے ہر قربانی پر آمادہ رہیں گے وہ ہندوستانی قوم کے افراد کہلائیں گے اور ہندوستان ان کا وطن ہوگا۔" اگرچہ اس مضمون کے مصنف نے ابتدا میں یہ اعلیٰ تصور پیش کیا کہ ہندوستان کے ہندو کوئی مذہب رکھ سکتے ہیں لیکن ایک ہی سانس میں اس کی تردید کر دی گئی اور یہ ادعا کیا گیا کہ انہیں ہندو کہلانے پر فخر کرنا چاہئے۔ اس طرح اس مضمون کے مصنف کا منشا یہ معلوم ہوتا ہے کہ ہندوستان کے مسلمان جو ہندو جماعت سے مذہب بدل کر مسلم جماعت میں داخل ہو گئے ہیں اپنے مذہب کو ترک کر دیں اور ہندوستان کے ہندو کہلانے پر فخر کریں۔ علانیہ طور پر یہ ایک مہمل خیال ہے۔ انسان کا مذہب اس کا ایک عزیز سرمایہ ہوتا ہے اور وہ اس کو اس آسانی سے چھوڑ نہیں سکتا جیسا کہ اس مضمون کے مصنف کا خیال ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ مسلمانوں کو مذہب اسلام کو عزیز رکھنے کا اتنا ہی حق ہے جتنا کہ ہندوؤں کو اپنا مذہب عزیز رکھنے کا ہے۔ اس لئے کوئی مسلمان اپنے آپ کو ہندوستان کا ہندو کہلانے پر فخر نہیں کرے گا۔ اور یہ واقعہ کہ مسلمانان ہند نے ہندو مذہب ترک کرکے مذہب اسلام قبول کیا ہے یہ ثابت کرتا ہے کہ انھوں نے یقین کامل کے ساتھ نیا مذہب اختیار کیا ہے۔ مثلاً ایک مسلمان جو ذات پات کے اختلافات اور ہندوؤں کی بت پرستی کو ناپسند کرتا ہو اس سے یہ توقع رکھنا کہ وہ اپنے آپ کو ہندو تصور کرے بالکل ناقابل فہم ہے۔ کوئی خوددار مسلمان ہندو کہلانے پر راضی نہ ہوگا اور کوئی سمجھدار ہندو ایسی شرط اس پر عائد نہ کرے گا۔

بیجا توقع

مسلمانوں سے یہ توقع رکھنے کے بجائے کہ وہ ہندو کہلانے پر فخر کریں گے کیا یہ مناسب نہ ہوگا کہ وہ ہندوستان کے مسلمان کہلانے پر فخر کریں؟ اس چیز سے اس مضمون کے مصنف (ڈاکٹر مونجے) کو اطمینان ہو جانا چاہیے اگر وہ ہندوستان کے اتحاد اور استحکام کا دل سے متمنی ہے۔ لیکن معلوم ہوتا ہے کہ ڈاکٹر مونجے اس سے مطمئن نہیں کیونکہ وہ اس بات پر مصر ہیں کہ ہندوستان کے مسلمان ہندو کہلانے پر فخر کریں۔ سوال یہ ہے کہ وہ ہندو کے لفظ پر اتنا زور کیوں دیتے ہیں اور ہندوستان کے لفظ پر کیوں نہیں دیتے؟ اس واقعہ سے اس مضمون کے مصنف کے حقیقی منشا کو سمجھنے میں مدد ملتی ہے۔ اس سے بداہتہً یہ ثابت ہوتا ہے کہ انہیں ہندومت کی زیادہ پرواہ ہے نہ کہ ہندوستان کی جو مسلمان، عیسائی اور نیز ہندوؤں کا وطن ہے۔ اس شرط کا لازمی نتیجہ کہ مسلمانان ہند ہندو کہلانے پر فخر کریں یہ ہے کہ ان کو اس مضمون کے مصنف نے ہندوستان کی تصویر سے بالکل نکال باہر کر دیا۔

کیا اس مضمون کا مصنف اس بات کو پسند کرے گا کہ اسی طرح کی شرط افغانستان کے ہندوؤں پر عائد کی جائے یعنی افغانستان کے ہندوؤں کو افغانستان کے مسلمان کہلانے پر فخر کرنا چاہیے؟ مجھے شک ہے کہ ڈاکٹر مونجے افغانستان کے مسلمانوں سے یہ کہیں گے کہ وہ افغانستان کے مسلمان ہونے پر فخر کریں اور اگر ایسا مشورہ دیا بھی گیا تو افغانستان کے ہندو بغیر ایک لمحہ غور کئے اس کو مسترد کر دیں گے۔ کیا یہ واقعہ کہ مسلمانان ہند ہندو جماعت سے مذہب بدل کر مسلم جماعت میں داخل ہو گئے ہیں کوئی فرق پیدا کرتا ہے؟ کیا یہ کہا جائے گا کہ ہندو مذہب چھوڑ کر کوئی ہندو مسلمان یا عیسائی نہیں ہو سکتا؟ اگر وہ اس طرح اپنا مذہب بدل رہے تو وہ پھر بھی ہندو کہلایا جائے گا؟ شاید ڈاکٹر مونجے اس کے جواب میں "ہاں" کہیں۔ لیکن کیا یہ واقعہ ہے؟ کیا ایسا جواب کسی معقول پسند ذہن کو مطمئن کر سکتا ہے؟

ایک غلط ادعا

پس جب یہ کہا جاتا ہے کہ "ہندوستان ایک قوم ہے اور یہ ملک ہندوؤں کا ہے" تو گویا یہ ادعا کیا جاتا ہے کہ ہندوستان ہندوؤں کا یعنی اکثریت والے فرقہ کا ہے۔ کیا ادعا قومی ادعا ہو سکتا ہے؟ کیا یہ ادعا صحیح ہے؟ کیا ایسا دعویٰ درست اور مبنی بر حقیقت ہے؟ کیا تاریخ ہمیں یہ نہیں بتلاتی کہ مسلمان حملہ آور اور فاتح کی حیثیت سے ہندوستان میں آئے اور مستقل طور پر یہاں بس گئے؟ اگر یہ فرض بھی کر لیا جائے کہ مسلمانان ہند کی اکثریت ہندو مذہب سے نکل کر اسلام میں داخل ہوگئی تاہم کیا وہ تبدیل مذہب سے پہلے دوسرے ہندوؤں کی طرح ہندوستان کے باشندے اور ہندوستان کے مالک نہیں تھے۔ اور کیا تبدیل مذہب کے بعد وہ ہندوستان کے مالک نہیں رہتے؟ کیا مسلمانوں کو یہ کہنے کا حق نہیں ہے کہ ہندوستان ان کا وطن ہے جس طرح کہ ہندوؤں کو یہ کہنے کا حق ہے کہ ہندوستان ان کا وطن ہے؟

یہ بھی کہا جاتا ہے کہ ہندو جو ایک بڑی اکثریت میں ہے ہندوستان کی قومیت کی تخلیق اور تشکیل کا حق رکھتے ہیں۔ یہ بھی ایک انوکھا تصور ہے۔ کیا مسلمانوں کو قومی دستور کی تشکیل میں حصہ لینے کا حق نہیں ہے۔ اس میں شک نہیں کہ اکثریت کی آواز اہم عنصر ہوتی ہے لیکن ڈاکٹر مونجے یہ کیوں فرض کر لیتے ہیں کہ مسلمان اکثریت کا ساتھ نہیں دیں گے؟ بہر صورت عدل و انصاف کو کیوں چھوڑا جائے؟ کیا ڈاکٹر مونجے کا یہ شرط عائد کرنا کہ مسلمان ہندوستان کے ہندو کہلانے پر فخر کریں مسلمانوں کے ساتھ ناانصافی نہیں ہے؟ کیا اس شرط کی تکمیل ناممکن نہیں ہے؟ اس طرح اپنے ذہن میں مسلمانوں کو ہندوستان کی تصویر سے علٰحدہ کرکے ڈاکٹر مونجے خیال کرتے ہیں کہ ہندو ہندوستان کے مالک ہیں۔ صورت حال سے بچنے کا یہ ایک عجیب طریقہ ہے۔ "آنکھیں بند کرو اور خطرہ غائب ہو جاتا ہے۔" یہ وہ اصول ہے جس کو ڈاکٹر مونجے اختیار کر رہے ہیں۔ اس طرح یہ بات بالکل واضح ہے کہ ڈاکٹر مونجے اس غلط بنیاد سے استدلال شروع کرتے ہیں کہ ہندوستان کے مالک ہندو ہیں اور مسلمانوں کی اس میں کوئی جگہ نہیں تاوقتیکہ وہ اپنے آپ کو ہندوستان کے ہندو نہ سمجھیں۔ واقعہ یہ ہے کہ ڈاکٹر مونجے کے دماغ پر لفظ ہندو اس قدر مسلط ہے کہ وہ ہندوستان میں ہر جگہ یہی لفظ جلی قلم سے لکھا پاتے ہیں۔ اس طرح جب ڈاکٹر مونجے ہندو پہلے اور ہندو بعد میں ہیں تو انہیں ہندوستانی قومیت کی نسبت کچھ کہنے کا فی الحقیقت کوئی حق ہے؟ جو شخص اپنی ہندویت سے بلند نہیں ہو سکتا وہ قومیت پر کچھ کہنے کا حق نہیں رکھتا۔ ڈاکٹر مونجے مذہب اور قومیت میں خلط مبحث کر رہے ہیں۔ حقیقی قوم پرست وہ ہے جو ہندوستان کی بہبودی اور استحکام کا دل سے متمنی ہو، چاہے وہ ہندو ہو یا مسلمان، عیسائی یا پارسی۔ یہ ڈاکٹر مونجے کا یہ مضمون منطق اور عقل کے خلاف اور قومیت کے منافی ہے جس طرح مسلمانان ہند کے بعض طبقوں کا تصور پاکستان ہے۔

(نیو انڈیا۔ ناگپور)

دیہی مسلمانوں کی اقتصادی و سماجی حالت

(بقیہ سلسلہ گذشتہ)

(۲)

سنہ ۱۳۴۳ف میں ایک تعلقہ کے ۵۰ مواضعات کی اقتصادی پیمائش کی گئی تھی۔ گو یہ پیمائش عمومی حیثیت کی تھی اور کوئی خاص فرقہ یا جماعت پیش نظر نہ تھا تاہم مسلم آبادی کے متعلق جو مواد اس سلسلہ میں دستیاب ہوا تھا۔ وہ اس غرض کے لئے کافی ہے کہ اس کی روشنی میں دیہی مسلمانوں کی اقتصادی اور سماجی حالت کا ایک اندازہ قائم کیا جاسکے۔ ذیل میں اس مواد کو بجنسہ پیش کیا جاتا ہے۔

آبادی

مواضعات زیر بحث کے منجملہ صرف ۲۹ مواضعات میں مسلمان آباد تھے۔ اور بقیہ ۲۱ مواضعات میں کوئی مسلم آبادی نہ تھی۔ لہٰذا ان کو اگر خارج از بحث سمجھا جائے تو ۲۹ مواضعات میں ان کی آبادی کی تفصیل حسب ذیل تھی۔

کل آبادی	تعداد ذکور	تعداد اناث	بچوں کی تعداد
۴۴۲	۱۳۵	۱۴۸	۱۵۹

آبادی کی تقسیم

۴۴۲ نفوس کی آبادی جملہ ۹۵ خاندانوں پر مشتمل تھی۔ یہ ۹۵ خاندان کسی خاص تناسب سے ان مواضعات میں آباد نہ تھے۔ بلکہ ان کی تقسیم انتہائی غیر متناسب طریقہ پر عمل میں آئی تھی۔ صرف ایک موضع میں جو اس قصبہ کا سب سے بڑا موضع اور گرداور حلقہ کا مستقر تھا جملہ خاندانوں کی تعداد ۱۲ تھی۔ بقیہ مواضعات میں ایک سے لے کر ۶ خاندان تک آباد تھے۔ لیکن ایسے مواضعات کی تعداد بہت کم تھی۔ جن میں ایک ساتھ ۵ یا ۶ خاندان آباد ہوں۔ ورنہ بیشتر مواضعات میں ایک یا دو خاندان سے زیادہ آباد نہ تھے۔

تقسیم باعتبار عمر

ایک سو ۳۵ مردوں کے منجملہ ایک سو ۵ مردوں کی عمر ۵۵ سال سے کم تھی۔ بقیہ ۳۰ کی عمر ۵۵ سال سے زیادہ تھی اور وہ اس قدر ضعیف و کمزور تھے کہ کسی محنت جسمانی کے قابل نہ تھے۔ عورتوں کے منجملہ ۲۴ ضعیف و معذور تھیں اور بقیہ کام کاج کے قابل۔ ایک سو ۵۹ بچوں کے منجملہ ۹۰ لڑکیاں اور ۶۹ لڑکے تھے۔ لڑکیوں میں ۲۳ بچیاں شیر خوار تھیں۔ اور ۶۷ کی عمر ۵ اور ۱۲ سال کے درمیان تھی۔ لڑکوں میں ۲۳ شیر خوار تھے اور ۴۶ کی عمر ۵ اور ۱۵ سال کے درمیان تھی۔

تعلیمی حالت

تعلیمی عمر رکھنے والے بچے اور بچیوں کی تعداد ۹۰ تھی۔ ان کے منجملہ صرف ۶ بچے دیہی مدارس میں شریک تھے اور ان میں بھی لڑکی ایک نہ تھی حالانکہ ان مواضعات کے منجملہ ۱۲ مواضعات میں دیہی مدارس قائم تھے۔ پڑھے لکھے مردوں اور عورتوں کی تعداد صفر تھی۔ اور پوری آبادی میں ایک شخص بھی ایسا نہ تھا جو معمولی طور پر حرف شناس ہو یا کسی زبان میں بھی اپنا نام لکھ سکتا ہو۔ اس کے برخلاف دوسری قوموں میں حرف شناس لوگوں کی تعداد بہت کافی تھی اور مدرسوں میں ان کے بچوں کا فیصدی اوسط بھی مسلمانوں سے کہیں زیادہ تھا۔

جملہ آبادی کا ۲۰ فیصدی سے کچھ زائد حصہ کسی نہ کسی وقتی بیماری میں مبتلا تھا۔ اور ۶ فیصدی سے زائد کسی مستقل اور دائمی مرض کا شکار تھا۔ بچوں میں یہ شرح ۱۵ فیصدی سے بھی زائد تھی۔ صرف ۲۰ فیصدی بچے ایسے تھے۔ جو کسی خاص مرض میں تو مبتلا نہ تھے۔ لیکن وہ اس قدر نحیف و کمزور تھے کہ ان کو بھی صحت مند نہیں کہا جاسکتا تھا۔ ان مواضعات کے منجملہ ایک موضع میں بھی طبی امداد کا انتظام نہ تھا۔ اور مستقر ضلع یا مستقر تعلقہ کا شفاخانہ تقریباً بیس پچیس میل کے فاصلہ پر واقع تھا۔

تقسیم آبادی باعتبار پیشہ

۹۵ خاندانوں کے منجملہ ۱۵ خاندانوں کا ذریعہ معاش پٹیل پٹواریوں کے پاس خانگی ملازمت تھا۔ ۹ خاندانوں کا دیہی نظم و نسق کی ادنیٰ خدمتوں پر ملازمت۔ ۱۰ خاندانوں کا زرعی مزدوری۔ ۹ خاندانوں کا زراعت، اور چار خاندانوں کا نواڑ بافی۔ بقیہ ۱۲ خاندانوں کا کوئی مستقل ذریعہ معاش نہ تھا۔ اگر سال کے کسی حصے میں ان کو مزدوری میسر آگئی تو خیر ورنہ عام طور پر ان کی گذر و بسر بھیک و خیرات پر ہوتی ہے۔

مختلف پیشوں میں آبادی کا تناسب

مختلف پیشوں میں آبادی کا تناسب حسب ذیل تھا۔

۱۔ خانگی ملازمت — تقریباً ۱۵ فیصدی
۲۔ دیہی نظم و نسق کی ادنیٰ ملازمت — تقریباً ۹ فیصدی
۳۔ زرعی مزدوری — " ۱۰ "
۴۔ زراعت — " ۹ "
۵۔ نواڑ بافی — " ۴ "
۶۔ فقیری و گداگری — " ۱۳ "

کماؤ اور غیر کماؤ آبادی

ضعیفوں اور بچوں کو نکال کر کام کاج کے قابل مردوں اور عورتوں کی تعداد ۲ سو ۴ تھی۔ جس کے منجملہ مرد ایک سو ۵ تھے۔ اور عورتیں ۹۹۔ چونکہ مسلمان عورتیں گھروں سے باہر نکل کر محنت و مزدوری نہیں کرتی ہیں۔ لہٰذا ان کو اگر خارج از بحث سمجھا جائے تو کماؤ آبادی صرف ایک سو پانچ افراد پر مشتمل تھی۔ جو کل آبادی کا تقریباً ۲۳ فیصدی حصہ تھا اور بقیہ ۷۷ فیصدی آبادی غیر کماؤ تھی۔

دوسرے طبقوں کے بالمقابل مسلمانوں میں کماؤ آبادی کی یہ شرح حیرت انگیز حد تک کم تھی اور جیسا کہ آیندہ صفحات کے مطالعہ سے واضح ہوگا مسلمانوں کے افلاس میں اس خاص وجہ کو بھی بڑا دخل تھا۔ ذیل میں ان مواضعات کے مختلف طبقوں کی کماؤ اور غیر کماؤ آبادی کا فیصدی تناسب پیش کیا جاتا ہے۔ تاکہ اس کے مطالعہ سے ان کے اقتصادی موقف کے متعلق صحیح رائے قائم کرنے میں سہولت ہو۔

طبقہ	فیصدی کماؤ آبادی	فیصدی غیر کماؤ آبادی
پست اقوام	۶۰	۴۰
کنبی	۵۸	۴۲
دھنگر	۵۶	۴۴
لوہار بڑھئی و سنار	۵۱	۴۹
مسلمان	۲۳	۷۷

ان اعداد و شمار سے ظاہر ہوتا ہے کہ پست اقوام کے ۵ آدمیوں میں تین آدمی کماؤ تھے اور ان پر صرف دو غیر کماؤ کی معاشی کا بار تھا۔ اور کم و بیش یہی تناسب دوسرے طبقوں میں بھی تھا۔ اس کے برخلاف مسلمانوں کے ساڑھے ۴ آدمیوں میں کماؤ آدمی صرف ایک تھا۔ اور بقیہ ۳½ آدمیوں کی پرورش کا بار تنہا اس ایک شخص پر تھا۔ دیگر اقوام کے بالمقابل مسلمانوں میں کماؤ آبادی کا تناسب ۲۵ اور ۴۰ فیصد کے درمیان کم تھا۔ اور اس فرق نے ان کی اقتصادی و مالی حالت میں بھی بہت بڑا فرق پیدا کر دیا تھا۔

اقتصادی حالت

عام طور پر دیہی آبادی کے کسی خاص طبقہ کی اقتصادی حالت کے متعلق جب کوئی اندازہ قائم کیا جاتا ہے تو سب سے پہلے یہ دیکھا جاتا ہے کہ اس طبقہ کا زراعت میں کیا حصہ ہے اور اس کے پاس زرعی اراضیات موجود ہیں یا نہیں۔ زمین کے علاوہ مکان مویشی سونا چاندی اور دیگر جائداد منقولہ و غیر منقولہ کی موجودگی و غیر موجودگی سے بھی دیہی آبادی کے کسی خاص طبقہ کی اقتصادی حالت کا پتہ چل سکتا ہے اور بالعموم اقتصادی حالت کے تعین اور تشخیص میں ان چیزوں کا بھی لحاظ رکھا جاتا ہے۔ آخر میں یہ دیکھنا بھی ضروری ہے کہ اس طبقہ پر قرضہ کا بار کس قدر ہے اور یہ قرضہ پیداواری اغراض کے لئے حاصل کیا گیا ہے یا غیر پیداواری اغراض کے لئے۔ اگر اس سے بھی زیادہ تفصیلی تحقیقات منظور ہوتی تو پھر اس امر کی بھی چھان بین کی جاتی ہے کہ اس طبقہ کی سالانہ یا ماہانہ آمدنی کیا ہے۔ اور اس کا معیار زندگی کیا ہے۔

ذیل میں جو مواد مسلم خاندانوں کی اقتصادی حالت کے متعلق پیش کیا جاتا ہے وہ اسی اصول پر جمع کیا گیا ہے اور اس سے ان کی معاشی حالت کا ایک صحیح اندازہ قائم ہو سکتا ہے۔

زرعی اراضیات

مسلمانوں کے ۵۰ خاندان کے منجملہ صرف ۹ خاندانوں کے پاس زرعی اراضیات موجود تھیں۔ اور اس کی تفصیل حسب ذیل تھی۔

نوعیت اراضی	رقبہ	رقم مالگذاری
تری	۹ ایکر ۳ گنٹہ	۹۷ روپیہ ۱۴ آنہ
خشکی	۱۱۳ ایکر ۲۵ گنٹہ	۱۱۳ "
باغات	صفر	
جملہ	۱۲۲ ایکر ۲۸ گنٹہ	۱۲۰ روپیہ ۱۴ آنہ

بقیہ ۴۱ خاندانوں کے پاس ایک چپہ زمین بھی موجود نہ تھی گویا مسلمانوں کے ۸۲ فیصدی خاندان باوجود زرعی علاقوں میں سکونت رکھنے کے زرعی اراضیات سے قطعاً محروم تھے۔ اور صرف ۹ فیصدی خاندانوں کے پاس برائے نام کچھ اراضی تھی حالانکہ انہی مواضعات میں پست اقوام کے ۴۰ فیصدی سے بھی زاید خاندان زرعی اراضیات کے مالک تھے۔ اور دوسری قوموں میں تو فیصدی کا اوسط بہت زیادہ تھا۔ ذیل کے اعداد میں ملکیت اراضی کے متعلق مختلف قوموں کا فیصدی تناسب پیش کیا جاتا ہے تاکہ اس کے مطالعہ سے ان کی تقابلی حالت کا ایک صحیح اندازہ قائم ہو سکے۔

قوم	فیصد خاندان جن کے پاس اراضی تھی	قوم	فیصد خاندان جن کے پاس اراضی تھی
ویلمے	۹۹	لوہار	۲۷
ریڈی	۹۳	جولاہے	۲۵
کمٹی	۶۳	زرگر	۲۴
بقال	۵۵	دھنگر	۲۴
برہمن	۴۵	بڑھئی	۲۳
مالیواڑ	۲۷	دھوبی	۲۲
دھوبی	۳۱	مسلمان	۹
بوساتی	۲۹		

مذکورہ بالا اقوام کے تقریباً ہر گھر کے پاس اراضیات کا ایک بڑا حصہ انعامی بھی تھا۔ لیکن مسلمانوں کے ایک خاندان کے پاس بھی انعامی اراضی موجود نہ تھی۔

جس قدر اراضی مسلمانوں کے پاس موجود تھی اگر اس کو ۵۰ خاندانوں پر تقسیم کیا جائے تو فی خاندان ۲ ایکر ۳ گنٹہ کا اوسط برآمد ہوتا ہے اور اگر اس اراضی کو ان کی پوری آبادی پر تقسیم کیا جائے تو فی کس ۱۰ گنٹہ کا اوسط نکلتا ہے۔ اس کے برخلاف دوسری قوموں میں یہ اوسط بہت زیادہ تھا بلکہ بعض میں تو تقابلتہً ۱۰۰۰ فیصدی بڑھا ہوا تھا۔ یہ امر بھی قابل غور ہے کہ ان مواضعات میں زیر کاشت رقبہ کی مقدار تقریباً بیس پچیس ہزار ایکر کے قریب تھی۔ لہٰذا قلت اراضی کا کوئی سوال موجود نہ تھا۔

مویشی

زرعی علاقوں میں اراضیات کے بعد سب سے زیادہ اہمیت مویشیوں کو حاصل ہے۔ چنانچہ جن طبقوں کے پاس کافی تعداد میں مویشی موجود ہوتے ہیں ان کو خوش حال سمجھا جاتا ہے اور جن کے پاس مویشی کم ہوتے ہیں وہ غریب سمجھے جاتے ہیں۔ مواضعات زیر بحث میں مسلمانوں کے ۵۰ خاندانوں کے منجملہ صرف (۱۰) خاندانوں کے پاس مویشی موجود تھے۔ بقیہ (۴۰) خاندانوں کے پاس ایک مویشی بھی نہ تھا۔ حتیٰ کہ مرغیوں کی شکل میں بھی کوئی جانور ان کے گھروں میں موجود نہ تھا۔

منجملہ ۹ زراعت پیشہ خاندانوں کے ۲ خاندانوں کے پاس ایک مویشی بھی نہ تھا۔ اور وہ اپنی اراضیات کی کاشت کے لئے یا تو کرایہ پر مویشی حاصل کرتے تھے یا موسم کاشت میں اپنی زمینات بٹائی پر اٹھا دیتے تھے۔ جن (۷) خاندانوں کے پاس مویشی موجود تھے ان کے پاس بیلوں کی تعداد صرف (۱۰) تھی۔ چونکہ یہ تعداد ان کی اراضیات کے لئے بھی ناکافی تھی۔ لہٰذا وہ بھی اس امر پر مجبور رہتے کہ زمانہ کاشت میں یا تو کرایہ پر بیل حاصل کریں یا اپنی اراضیات کا کچھ حصہ بٹائی پر اٹھا دیں جس قدر اراضی ان کے پاس موجود تھی اس کی کاشت کے لئے کم از کم (۴۰) بیل درکار تھے۔ لیکن ۹ بیلوں کے خریدنے کی ان میں سکت موجود نہ تھی۔ مسلمانوں کے علاوہ دوسرے طبقوں میں ایک خاندان بھی ایسا نہ تھا جس کے گھر میں کم از کم ۲ ایک مویشی موجود نہ ہوں اور ان کے زراعت پیشہ خاندانوں میں تو خاص طور پر ضرورت سے بھی زیادہ مویشی موجود تھے چنانچہ زیر بحث مواضعات میں مویشیوں کی جملہ تعداد بیس پچیس ہزار سے کسی طرح کم نہ تھی۔

دیگر جائداد منقولہ و غیر منقولہ

۵۰ خاندانوں کے منجملہ ایک خاندان کے پاس بھی پختہ مکان نہ تھا صرف ایک خاندان سفالی مکان میں رہتا تھا اور (۱۰) خاندانوں کی سکونت خس پوش جھونپڑیوں میں تھی۔ بقیہ (۳۹) خاندانوں کو خس پوش جھونپڑے بھی میسر نہ تھے۔ اور وہ چند مٹی کے کوٹھوں میں زندگی بسر کرتے تھے جائداد منقولہ کی شکل میں مٹی کے چند ٹوٹے پھوٹے برتن اور چند پھٹے پرانے کپڑوں کے علاوہ ان کے پاس کوئی اور چیز موجود نہ تھی۔ صرف ۹ خاندان ایسے تھے جن کے گھروں میں چند تانبے اور پیتل کے برتن پائے گئے اس کے برخلاف دوسری قوموں میں ایک خاندان بھی ایسا نہ تھا جس کے گھر میں دو ایک تانبے یا پیتل کے برتن موجود نہ ہوں۔ منجملہ (۵۰) خاندانوں کے صرف ایک خاندان کے پاس زیورات کی شکل میں ۲ تولہ سونا اور (۲۰) تولہ چاندی برآمد ہوئی اور یہ خاندان بلا شبہ مسلمانوں کا سب سے زیادہ خوشحال خاندان تھا کیونکہ ۲۲ ایکر ۲۴ گنٹہ اراضیات کے منجملہ ۲۰ ایکر خشکی اور ۳ ایکر تری اراضیات کا وہ مالک تھا۔ اس کے برخلاف پست اقوام کی ہر عورت کے گلے میں چند ماشہ سونے کے موتی ضرور نظر آتے۔

قرضہ

منجملہ ۵۰ خاندانوں کے صرف ۱۰ خاندان قرضہ کے بار سے بچے ہوئے تھے۔ اور وہ اس قدر مفلس و نادار تھے کہ ان کے لئے قرضہ حاصل کرنا ناممکن تھا۔ بقیہ ۴۰ خاندان بری طرح قرضہ میں گرفتار تھے۔ اور ان کے قرضہ کی مجموعی مقدار ۸ ہزار ۹ سو ۳۰ روپیہ تھی۔ اور اس کا سالانہ سود جو ان کو ادا کرنا پڑتا تھا اس کی مقدار ۱۹ سو روپیہ کے قریب تھی۔ اس قرضہ کے منجملہ ۷۰ فیصدی قرضہ غیر پیداوار اغراض کے لئے حاصل کیا گیا تھا۔ اور ۳۰ فیصدی پیداوار اغراض کے لئے جن خاندانوں کے پاس زمین نہ تھی ان کا پورا قرضہ غیر پیداوار اغراض کے لئے تھا اور اس کی ادائی کی بظاہر کوئی صورت موجود نہ تھی۔ البتہ جن خاندانوں کے پاس تھوڑی بہت زمین تھی ان کے متعلق یہ سمجھا جا سکتا ہے کہ انہوں نے زرعی اغراض کے لئے قرضہ حاصل کیا ہوگا۔ دریافت پر معلوم ہوا کہ اس قدر بڑھی ہوئی شرح سود کی وجہ یہ تھی کہ مقروض خاندانوں کے منجملہ بیشتر خاندانوں نے صرف شخصی ضمانت پر قرضہ حاصل کیا تھا اور ان کے پاس کوئی جائداد منقولہ یا غیر منقولہ ایسی نہ تھی جس کی کفالت پر وہ کم شرح سود سے قرضہ حاصل کر سکتے۔ صرف ۹ خاندانوں نے اپنی اراضی کی کفالت پر قرضہ حاصل کیا تھا لیکن ان کے قرضہ کی مقدار اتنی زیادہ تھی کہ غالباً ان کی اراضیات کے محفوظ رہنے کی کوئی توقع نہ تھی بیشتر قرضہ غلہ کی شکل میں پٹیل پٹواریوں یا بقالوں کے پاس سے حاصل کیا گیا تھا۔ خاص طور پر غیر زراعت پیشہ خاندانوں کا تو پورا قرضہ جنس ہی کی شکل میں لیا گیا تھا صرف زراعت پیشہ خاندانوں کا قرضہ نقد کی شکل میں تھا۔ لیکن اس کا بھی ایک حصہ غلہ ہی کی شکل میں حاصل کیا گیا تھا۔

مذکورہ بالا اعداد سے ظاہر ہے کہ مسلمانوں کی تقریباً ۸۰ فیصدی آبادی قرضہ میں گرفتار تھی اور صرف ۲۰ فیصدی آبادی انتہائی افلاس کے باعث قرضہ سے بچی ہوئی تھی۔ اس قرضہ کی مجموعی رقم کو اگر مسلمانوں کے قرضدار خاندانوں پر تقسیم کیا جائے۔ تو فی خاندان ایک سو ۹۰ روپیہ کا اوسط برآمد ہوتا ہے اور فی کس یہ اوسط ۴۰ روپیہ ۱۲ آنہ ہوتا ہے ممکن ہے کہ زراعت پیشہ آبادی کے لئے قرضہ کا یہ اوسط زیادہ نہ ہو۔ لیکن غیر زرعی آبادی کے لئے یہ اوسط بہت زیادہ ہے اور مسلمانوں کی یہ آبادی کلیتہً غیر زرعی تھی کیونکہ ۵۰ خاندانوں کے منجملہ صرف ۹ خاندانوں کے پاس تھوڑی سی زمین موجود تھی ورنہ بقیہ خاندان یا تو ملازم پیشہ تھے یا مزدور پیشہ۔ ان کے بالمقابل پست اقوام میں قرضہ کا اوسط ۳۰ روپیہ فی خاندان اور ۱۰ روپیہ فی کس تھا۔ حالانکہ ان کے ۴۰ فیصدی سے بھی زاید خاندانوں کے پاس زمین و زراعت موجود تھی۔

آمدنی

۵۰ خاندانوں کے منجملہ ۲ خاندانوں کا کوئی مستقل ذریعہ معاش نہ تھا لہٰذا ان کی آمدنی کا اندازہ قائم نہ ہو سکا بقیہ (۴۸) خاندانوں کی آمدنی کی تفصیل حسب ذیل تھی۔

تعداد خاندان	پیشہ	جملہ افراد	ماہانہ آمدنی
۵۱	خانگی ملازمت	۵۶	۲۳-۲-۰ روپیہ
۹	مذہبی تعلیم و تبلیغ کی اور مختلف ملازمت	۹	۲۷-۰-۰
۱۰	زرعی مزدوری	۹	۲۲-۸ آنہ
۹	زراعت	۱۲	۲۳-۸-۰
۳	نواربافی	۳	۸-۸-۰
۸۲		۹۰	۱۰۴-۳-۳ روپیہ

اس آمدنی کو ۸۲ خاندانوں کے جملہ افراد پر اگر تقسیم کیا جائے تو فی کس ماہانہ اوسط ۱۴ روپیہ آمد ہوتی ہے جو روزانہ چند پائیوں سے زیادہ نہیں ہے۔ اسی آمدنی سے ان خاندانوں کو اپنے قرضہ کا سود بھی ادا کرنا پڑتا تھا۔ ظاہر ہے کہ اس کے بعد غذا لباس اور دیگر ساری ضروریات زندگی کے لئے ان کے پاس کیا بچتا ہوگا یوں بھی فی کس ۱ روپیہ کی ماہانہ آمدنی تو اس غرض کے لئے بھی کافی نہیں ہے کہ ایک شخص مہینہ میں چند یوم بھی پیٹ بھر کر غذا حاصل کر سکے جب بہ حیثیت مجموعی خاندانوں کی حالت یہ تھی تو پھر ان خاندانوں کا کیا ذکر جن کا سرے سے کوئی ذریعہ معاش ہی نہ تھا۔ مسلمانوں کے بالمقابل پست اقوام میں آمدنی کا اوسط فی کس ڈیڑھ روپیہ ماہانہ تھا۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ ان کے خاندانوں میں کمانے والے افراد کی تعداد مسلمانوں کے مقابلہ میں بہت زیادہ تھی اور مردوں کے دوش بدوش عورتیں بھی محنت و مزدوری کرتی تھیں۔

معیار زندگی۔

جن خاندانوں کے افراد کی ماہانہ آمدنی ۱۴ یا ۲ سے زیادہ نہ ہو ان کی زندگی کا معیار ظاہر ہے کہ کیا ہوگا۔ چنانچہ ۵۵ خاندانوں میں صرف ایک خاندان کے متعلق وثوق سے یہ کہا جاسکتا تھا کہ وہ فاقہ کشی میں مبتلا نہ تھا اور اس خاندان کے اراکین کو کم از کم دن میں دو مرتبہ پیٹ بھر کر غذا میسر آجاتی تھی۔ یہ خاندان وہی ہے جس کے پاس ۲۰ بیگھہ خشکی و ۳ بیگھہ تری اراضی تھی اور مویشی بھی سب سے زیادہ تھے۔ چنانچہ اس کے پاس دو بھینس بھی تھیں جن کی وجہ سے شاید اس کے بچوں کو تھوڑا بہت دودھ بھی میسر آجاتا ہو تن پوشی کے لئے اس کے پاس کچھ لباس بھی تھا۔ اور گھر میں دو ایک تانبہ اور پیتل کے برتن بھی موجود تھے۔ بقیہ ۵۴ خاندانوں کے منجملہ شاید ہی دو چار خاندانوں کو دن میں ایک وقت بھی پیٹ بھر کر غذا میسر آتی ہو ورنہ سب کے سب فاقہ کشی میں بسر کرتے تھے۔ دریافت پر معلوم ہوا کہ ان میں سے کسی نے بھی دودھ شکر یا گیہوں کا استعمال اپنی پوری عمر میں نہیں کیا۔ ۱۳۳۳ف میں ۵۵ خاندانوں کے منجملہ صرف ایک خاندان نے جس کا ذکر اوپر آچکا ہے اپنے لباس کے لئے ۲۰ گز کھدر متفرق پر خریدا تھا۔ اور یہ قرضہ ختم سال تک بھی ادا نہیں ہوا تھا بقیہ ۵۴ خاندانوں نے پورے سال میں ایک گز کپڑا بھی نہیں خریدا تھا۔ عام طور پر قومی تہوار کے دن دیہی آبادی کا ہر طبقہ نئے لباس اور قدرے بہتر غذا کا استعمال ضرور کرتا ہے لیکن مسلمانوں کا یہ طبقہ ان موقعوں پر بھی ننگا اور بھوکا رہتا تھا۔

(باقی)

اوانا کی کانفرنس

لندن ۳ فروردی "رائٹر" کا سفارتی نامہ نگار لکھتا ہے "اوانا" کا سابقہ اجلاس منعقد ہوا تھا پریسیڈنٹ روزویلٹ روحانی حیثیت سے موجود تھے اور مسٹر اسٹالن کو شروع میں اور آخر میں پوری طرح باخبر رکھا گیا۔

اوانا کا مطلب او قوہ ہے کہ بحیرۂ روم کی فوجی صورت حال متحدہ اقوام کے حق میں بدل گئی تاہم ترکی کی نتیجہ خیز سعی غیر جانبداری اور برطانیہ کے ساتھ اس کے تحالف میں تبدیلی نہیں ہوئی بلکہ اس کی توثیق ہوئی۔ انگلستانی ترکی کانفرنس میں مشرقی یورپ کی ساری فوجی اور سیاسی صورت حال کی چھان بین کی گئی۔ انگلستان ترکی کے ۱۹ اکتوبر ۱۹۳۹ء کے معاہدہ کی (جو سہ طاقتی انگلستانی فرانسیسی ترکی معاہدہ تھا) اور جس میں بحیرۂ روم کے رقبہ میں اقدام کی صورت میں باہمی امداد اور تمام اوقات میں مشاورت کی صراحت کی گئی تھی توثیق ہوئی۔

ترکی کے واجبات

"رائٹر" کا خصوصی نامہ نگار لکھتا ہے کہ متحادین کے ساتھ ترکی کے تعلقات کی تاریخ میں تین تاریخیں ممتاز ہیں۔ ۱۹ اکتوبر ۱۹۳۹ء انگلستان فرانس و ترکی میں باہمی امداد کا معاہدہ ۱۸ جون ۱۹۴۱ء جرمنی و ترکی کا پیمان عدم اقدام (ترکی نے توضیح کی کہ یہ ایک احتیاطی تدبیر ہے جو اتحادیوں کی نسبت اس کے واجبات کے مغائر نہیں ہے) ۱۰ اگست ۱۹۴۱ء مشترکہ انگلستانی روسی اعلان کہ وہ ترکی کو مدد دیں گے اگر اس پر حملہ ہو۔

ترکی کی جنگی طاقت

آغاز جنگ سے ترکی فوج کو پورے اجتماع کی حالت میں رکھا گیا ہے اور سارا ملک دفاعی اساس پر ہے۔ حالیہ سالوں میں قومی مدافعت پر بڑی رقوم صرف کی گئیں۔ اگرچہ ترکی کو ۱۹۱۸ء میں شکست ہوئی تھی ترکی فوج کا کمال اتاترک کے تحت حیرت انگیز احیاء ہوا۔ عرصہ دراز تک ترکی میں سامان جنگ کی کمی تھی لیکن بعد میں اتحادیوں نے سامان فراہم کیا جو سمجھا جاتا ہے کہ اچھا ہے یا کم از کم بیشتر بلقانی افواج کے سامان سے بہت اعلیٰ ہے۔ ہوائیہ فوج کا ایک جزو ہے اور اس کی تنظیم جرمن نمونہ پر ہوئی ہے۔ ہوائیہ میں چند جرمن طیاروں کے علاوہ برطانوی اور امریکی طیارے ہیں۔ جنگ سے قبل اس کی بحری قوت (۳۶) اکھڑ دوزنوں کی تھی۔ جنگ سے قبل بحری سابق جرمن جنگی کروزر "گوبن" مع جدید تباہ کن جہازوں ۱۳ آب دوزوں، دو قدیم کروزروں اور مختلف ہلکے جہازوں پر مشتمل ہے۔

حیدرآباد میں برطانوی ہند سے زیادہ سہولتیں ہیں

بقیہ سلسلہ صفحہ (۳)

بیرونی ریاست میں کوئی نسبت نہیں۔

مخلص

ایل۔ بی۔ مراٹھے
منیجر اسٹیٹ بنک ریاست میرج

ترکوں کی خارجی حکمت عملی

بقیہ سلسلہ صفحہ اول

فریق سے معاشی معاہدے کئے ہیں۔ ترکی کے سیاسی حلقوں کی یہ رائے ہے کہ انھوں نے اپنے پُرامن عزائم کی کافی شہادت کردی ہے تاکہ یہ اندیشہ رفع ہو جائے کہ ترکی جنگ میں گھسیٹے جانے پر رضامند ہوگا۔ اس کے علاوہ ان حلقوں کا یہ بھی خیال ہے کہ جرمنی کو اس وقت دو تین ترکی کی آزادی حاصل ہے اور نہ ترکی سے خلاف جنگ کرنے کے وسائل

اشتہار

مرتبہ محکمہ لطافت عدالت ضلع نظام آباد صوبہ گلشن آباد میدک مستقر نظام آباد

داخلہ ۲۰ اسفندار ۱۳۵۲ف

نمبر مقدمہ (۲) ۱۳۵۲ف رجسٹر نمبر (۱)

باجلاس مولوی

الکی بنت بیکیا قوم حجام عمر دس سال پیشہ خانہ داری ساکن کماریڈی مدعی

چنگل نرسما مدعی علیہ

دعوے۔ استقرار حق

بنام چنگل نرسما ولد رام کشن قوم حجام عمرہ ۲ سال پیشہ ذاتی ساکن ہنجوگاکیپ خیریت آباد حیدرآباد۔

ہرگاہ مقدمہ مندرجہ تمہارے نام متعدد دفعہ اطلاعنامے جاری ہوئے۔ مگر تمہارا پتہ نہ چلنے یا تمہارا روپوش ہونے یا مکان پر تعمیل پانے سے عدم تعمیل رہے جس کی وجہ ذریعہ اشتہار ہذا مشتہر با اطلاع دیجاتی ہے کہ بتاریخ پیشی ۲۶ فروردی ۱۳۵۲ف بروز یکشنبہ بوقت ۱۰ بجے عدالت ہذا میں مقدمہ مندرجہ کی پیروی یا جواب دہی اصالتاً یا وکالتاً یا مختار تاحاضر دیگر کرو بصورت خلاف حسب ضابطہ کارروائی کی جائے گی۔ اور کوئی عذر مسموع نہ ہوگا۔ آج بتاریخ ۲۰ اسفندار ۱۳۵۲ف بثبت میری دستخط اور مہر عدالت کے جاری کیا گیا۔

مہر دستخط منتظم عدالت ضلع

اشتہار

بحوریہ عدالت دیوانی منصفی تعلقہ سدی پیٹھ ضلع میدک

نمبر مقدمہ ۱۹ ۱۳۵۲ف رجسٹر نمبر (۱)

اجلاس مولوی زین العابدین صاحب بی اے ایل ایل بی منصف

نارسنگی ساہنیا

بنام

رچہ دڑگیا

دعوے۔ دلاپانے مبلغ ۸ روپیہ اصل و سود

بنام رچہ دڑگیا ولد اننت رام قوم چولاہ عمر ۲۴ سال پیشہ ذاتی ساکن موضع کوروڑ خورد تعلقہ سدی پیٹھ

ہرگاہ مدعی نے۔ مقابلہ تم مدعی علیہ اس عدالت میں مقدمہ بابتہ مندرجہ کا دائر کیا ہے اور متعدد مرتبہ سمن تمہارے نام مسکونہ مقام موضع کوروڑ خورد تعلقہ سدی پیٹھ کے پتہ پر اجرا ہوئے لیکن بلا تعمیل واپس ہوئے ہیں اس سے معلوم ہوتا ہے کہ تم تعمیل سمن سے گریز کر رہے ہو۔ اسلئے ذریعہ ہذا تم کو حکم دیا جاتا ہے کہ تم بتاریخ ۱۰ فروردی ۱۳۵۲ف یوم چہار شنبہ وقت ۱۰ بجے دن حاضر عدالت ہذا ہو کر مقدمہ کی پیروی و جوابدہی کرو بصورت غیر حاضری کارروائی ضابطہ کی جائیگی اور اس کے بعد تمہارا کوئی عذر مسموع نہ ہوگا۔ آج بتاریخ اسفندار ۱۳۵۲ف میری دستخط و مہر سے جاری کیا گیا۔

مہر دستخط منتظم عدالت

دکن پریس چارمینار میں طبع ہو کر باہتمام سید حسن اشاعت یہ دفتر مملکت بکڑ سے شائع ہوا